ملکوں اور قوموں کی تقدیر نوک قلم سے وابستہ

''جب شمشیر زنی اور کشور کشائی کا دور تھا، قوموں اور ملکوں کی قسمتیں ان فاتحین اور کشور کشاؤں کی نوک شمشیر کے نیچے تھیں، وہ آندھی پانی کی طرح اٹھتے اور ملکوں کے ملک تاراج کرتے ہوئے نکل جاتے تھے، شہر اور بستیاں ان کی تلواروں کے اثر سے بے چراغ ہو جاتی تھیں، آج ملکوں اور قوموں کی تقدیریں نوک قلم سے وابستہ ہوگئی ہیں، اس کی ایک غلطی اور اس کے غلط استعمال سے اسی طرح ملک کے ملک تاراج اور بستیوں کی بستیاں بے چراغ ہو جاتی ہیں، آپ کو اپنی قلم کی طاقت اور اس کے صحیح اور غلط استعمال کے نتائج کا پورا تجربہ ہے، پہلے کسی کہنے والے نے کہا تھا: ع

زیر قدمت ہزار جانست

آج تھوڑی ترمیم کے ساتھ آپ سے یہ کہنا صحیح ہوگا:

زیر قلمت ہزار جانست

صحافت ملتوں اور قوموں کا مزاج بناتی اور بگاڑتی ہے، اگر اخبار نویس اور صحیفہ نگار اپنے قلم کو احتیاط کے ساتھ استعمال نہ کریں، ان سے جذبات کو بھڑکانے، نفرت کو بڑھانے اور اشتعال پیدا کرنے کا کام لیں تو ملّی اور اجتماعی مزاج برہم، غیر معتدل، اشتعال پذیر اور غضبناک ہو جاتا ہے، پوری کی پوری قوم اور ملک کی آبادی تنک مزاج، غیر متحمل اور قوت برداشت سے محروم ہو جاتی ہے، وہ روئی کی طرح ایک منٹ میں آگ پکڑ لیتی ہے۔ اگر صحافت سے شعور کی بیداری، اخلاقی تربیت، حقیقت پسندی اور صبر وضبط پیدا کرنے کا کام لیا جائے تو قومی مزاج متحمل اور معتدل ہوتا ہے، اس کی ہر بات کو سننے دیکھنے اور غور کرنے اور حقیقت کو سمجھنے کی عادت پڑ جاتی ہے، اور وہ قوم کبھی بے اعتدالی اور بے راہ روی کا شکار نہیں ہوتی، ہمارے ملک میں جو ایک خاص نوعیت کا ملک ہے اور مختلف فرقوں اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے اس عنصر کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اس لیے صحافت کی ذمہ داری بھی سب سے زیادہ ہے۔

صحافت کا اس دور میں معاشرہ پر جو اثر ہے وہ اور کسی چیز کا نہیں، علی الصبح سوسائٹی کے ہر طبقہ کا جس چیز سے واسطہ پڑتا ہے وہ اخبار ہے، اخبار بینوں میں دیندار طبقہ کا بھی نمازِ صبح سے پہلے یا بعد اخبار بینی کا معمول ہے۔

اخبارات عوامی رابطہ اور ملک وقوم کے مزاج بنانے اور بگاڑنے کا اہم رول انجام دیتے ہیں، اب یہ اخبار نویس برادری کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نازک اور حساس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ہمیشہ اس بات کا بھی استحضار رکھے کہ ہمارے قلم سے نکلنے والا ایک ایک لفظ کہیں اور بھی محفوظ ہو رہا ہے، ہم خدا کے سامنے جواب دہ ہیں، بغیر اس عقیدہ کے ہمارے اندر صحیح طور پر اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں پیدا ہوگا۔

آپ سیاست کی زبان میں، صحافت کی زبان میں، فلسفہ کی زبان میں، قانون کی زبان میں، کتنے ہی ضمیر کو جگانے کی کوشش کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ضمیر کو جگانے کا اس سے زیادہ اور کوئی مؤثر طریقہ نہیں ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ کوئی دیکھنے اور جاننے والا ہے، صرف آپ کے اخبارات کے پڑھنے والے جو آپ کے اخبارات کی قدر کرتے ہیں وہی نہیں ہیں جو فائل بھی محفوظ نہیں رکھتے ہیں، ایک اور طاقت کہ جہاں ہر ایک نوشتہ اور ہر ایک نقطہ محفوظ رہتا ہے۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اردو، ہندی اور انگریزی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

جلد نمبر ۳ مارچ ۲۰۱۱ء - ربیع الاول ۱۴۳۲ھ شمارہ نمبر ۳

عالم اسلام کے بدلتے حالات (اداریہ) ۲
بلال عبدالحی حسنی ندوی

سرکاری اثرات سے آزاد دینی ادارے (افادات مفکر اسلامؒ) ۳
مولانا نذر الحفیظ ندوی

سیرت نبوی - قرآن کریم کے آئینہ میں ۴
مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اسلامی ذرائع ابلاغ کی ضرورت واہمیت ۵
مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی

انسان اور معرفت رب ۷
بلال عبدالحی حسنی ندوی

موجودہ توریت میں قربانی وتوبہ کا تصور ۸
عبدالسبحان ناخدا ندوی

سجدہ سہو کے احکام ۱۱
مفتی راشد حسین ندوی

شرک کیا ہے؟ ۱۳
محمد حسن ندوی

تاریخ کے جھروکوں سے ۱۴
عمر عثمان ندوی

عالمی ذرائع ابلاغ - پنجۂ یہود میں ۱۵
محمد نفیس خاں ندوی

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

(صدر، دارِ عرفات)

نگراں

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ

(جنرل سکریٹری، دارِ عرفات)

مولانا احمد علی حسنی ندوی مدظلہ

(ڈائریکٹر، دارِ عرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۱۰ روپے سالانہ: ۱۰۰ روپے

www.abulhasanalinadwi.org

مرکز الامام أبي الحسن الندوي دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱ Fax. 0535221188

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبي الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ Email. markazulimam@gmail.com

www.abulhasanalinadwi.org

اداریہ

عالم اسلام کے بدلتے حالات

امیدیں اور اندیشے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

اس وقت عالم اسلام ایک نازک موڑ سے گزر رہا ہے، کئی ملکوں میں غیر جمہوری طریقہ پر جو حکمراں مسلط تھے ان سے عوام نے پیچھا چھڑانے کی جو سرفروشانہ کوششیں کیں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوچکی ہیں، تیونس سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا، مصر میں بھی انقلاب آچکا ہے اور لیبیا انقلاب کی ڈھک پر کھڑا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کئی کئی دہائیوں سے ان ملکوں کے حکمرانوں نے جس طرح ڈکٹیٹر بن کر عوام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں وہ اس قابل تھے کہ ان کو کنارے لگا دیا جائے، ظلم کی بھی ایک حد ہوتی ہے، طویل عرصہ تک کوئی حکومت اپنے عوام پر ظلم کر کے باقی نہیں رہ سکتی' اللہ کا یہ نظام ہے، لیکن سب سے اہم مسئلہ آگے کا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ زمام اقتدار کس کے ہاتھ میں آتی ہے، گذشتہ تجربات اس سلسلہ میں بڑے تلخ رہ چکے ہیں، اس لیے اس میں بڑی دانائی اور ہوش مندی کی ضرورت ہے۔

الجزائر کو آزاد کرانے میں پیش پیش جو طبقہ تھا وہ علماء کا اور دیندار لوگوں کا تھا، ان حضرات کی انتھک محنت اور زبردست قربانیوں کے نتیجہ میں ملک آزاد ہوا لیکن اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آیا جو دین بیزار تھے، آزادی کے باوجود آج بھی وہاں کے عوام کو ایک طرح کی غلامی کی زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔ اس کی دوسری مثال تیونس ہی کی ہے' زین العابدین ابن علی سے پہلے وہاں حبیب بورقیہ کی حکومت تھی، ان سے عوام بھی بزار تھے اور دینی طبقہ خاص طور پر سخت نالاں تھا، ان کے بعد جب زین العابدین برسر حکومت آئے تو لوگوں کو ان سے بڑی توقعات تھیں اور شروع میں وہ ان پر پورے اترے، جامعہ زیتونیہ کے آزادانہ کردار کو بحال کیا گیا، عوام کو اور خاص طور پر دینداروں کو قید وبند سے نجات ملی، لیکن پھر جلد ہی یہ حالات بدلتے گئے اور زین العابدین نے بھی وہی طریقہ اختیار کر لیا جو ان کے پیشرو حبیب بورقیہ کا تھا۔

عرصہ سے عالمی سطح پر یورپ وامریکہ کی دوہری پالیسی چل رہی ہے، اس کے لیے ہر طرح کی چالیں اختیار کی جاتی ہیں، اور خوبصورت الفاظ کا ان پر لیبل چڑھا دیا جاتا ہے، جن میں موجودہ دور کا سب سے خوبصورت لفظ ''آزادی'' کا ہے، لیکن یہ وہ سراب ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، خود تیونس اور الجزائر نے جہاں نام نہاد مسلم حکمراں تھے لیکن یورپ کے ساختہ پرداختہ انہوں نے آزادی کے نام پر عوام کو غلامی کے شکنجے میں کس رکھا تھا، ایک شخص اگر اپنی رائے سے کسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتا تو اس پر پابندی، اگر کوئی لڑکی اسکارف باندھ کر کالج جانا چاہے تو اس پر پابندی اور نہ جانے پابندیوں کی کیا کیا شکلیں تھیں جن کو آزادی کا عنوان دیا گیا تھا، اور تقریباً یہی حال اکثر یورپ کے ملکوں کا ہے، آزادی کا مطلب ایک خاص قسم کی بے راہ روی کا لیا جاتا ہے، اگر کوئی برہنہ نکل پڑے اس کو ٹوکنا آزادی کے خلاف ہے اور اگر کوئی کپڑے پہن کر حجاب کے ساتھ باہر آجائے تو اس کو بے پردہ کرنا اور اس کے ضمیر کے خلاف چلنے پر اس کو مجبور کرنا آزادی ہے، آزادی کے نام پر ضمیر کو غلام بنا کر رکھا جاتا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ غلامی کی بدترین شکل ہے۔

عرب ملکوں میں ایسے ڈکٹیٹرس ایک سازش کے تحت بیٹھائے گئے تاکہ وہاں کے عوام غلامی کی زندگی گزاریں اور دین پسندوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے، کئی دہائیوں سے یہی صورت حال چل رہی ہے، آج جب کہ وہ ڈکٹیٹر کمزور ہو چکے ہیں اور لوگوں کا بھی پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے تو حالات کروٹ لے رہے ہیں لیکن دین پسند عوام کو اور ان کے قائدین کو بہت کچھ سوچنا پڑے گا اور ماضی کے تجربات سے ان کو سبق لینا ہوگا، اس کے لیے ہوش مندی کی بھی ضرورت ہے، اور حکمت کی بھی، یہ نہ ہو کہ ''رام آیا رام گیا'' والی مثل صادق آئے اور ایک ظالم کے بعد اقتدار دوسرے ظالم کے پاس چلا جائے، امریکہ، اسرائیل اور یورپ کی یہی تمنا ہے، ہاتھی کے کھانے کے دانت کچھ اور ہوتے ہیں اور دیکھانے کے کچھ اور، ظاہری طور پر اس وقت عالمی ہمدردیاں مظاہرین کے ساتھ ہیں، اس کے پیچھے بھی یہی ذہنیت کام کر رہی ہے کہ ہمدردی جتا کر پھر اپنا آدمی بیٹھا دیا جائے، اور وہ کٹھ پتلی بن کر کام کرتا رہے، اس لیے بڑی ہوش مندی کی ضرورت ہے کہ الجزائر جیسے حالات نہ پیدا ہوں، دوسری طرف بڑی حکمت کی ضرورت ہے، اقتدار میں آنے کے بعد حالات کو اور لوگوں کی نفسیات کو سمجھنا اور بتدریج آگے بڑھنا ضروری ہے، اس کے لیے ہمارے سامنے ترکی کی مثال ہے، ورنہ اس کا خطرہ ہے یا تو ایسے لوگوں کا ذہن بدل دیا جاتا ہے، یا ان کو ختم کر دینے کی سازشیں کی جاتی ہیں، شاہ فیصل مرحوم نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا تھا، اور اتحاد اسلامی کے علمبردار بن کر اٹھے تھے' ان کو شہید کرا دیا گیا، اس لیے حکمت کی بھی ضرورت ہے، اور ہوش مندی کی بھی، یقیناً یہ انقلابات غیر جمہوری ملکوں میں روشنی کی کرن بن کر سامنے آرہے ہیں، لیکن امیدوں کے ساتھ اندیشے بھی ہیں جن کو سمجھنے کی اور پھر اس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے!

سرکاری اثرات سے آزاد دینی ادارے

(افادات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

مولانا نذر الحفیظ ندوی

ایک مجلس میں حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ ہمارے والد صاحب (علامہ عبدالحی حسنیؒ ناظم ندوۃ العلماء) نے نظامت کا چارج لیتے ہی پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اس زمانہ میں جو پانچ سو روپئے کی امداد انگریزی تعلیم کے لیے ملتی تھی اور اس کی بڑی حیثیت تھی وہ بند کرادی۔

حضرت مولاناؒ نے مجلس میں موجود طلباء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ندوہ اور دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم نے جو بھی دین کی خدمت انجام دی ہے وہ سرکاری اثر سے آزاد ہونے کی وجہ سے پوری آزادی کے ساتھ انجام دی ہے، حکومت نے بہت اثر انداز ہونا چاہا لیکن وہ کامیاب نہیں ہوسکی، تم لوگ بھی یہ طے کرلو کہ جو بھی مدرسہ قائم کروگے اس کو سرکاری اعانت سے آزاد رکھوگے، مدارس کا کردار اس وقت تک آزاد ہے جب تک وہ سرکاری امداد سے آزاد ہیں۔

پھر حضرت مولاناؒ نے ائمہ مساجد کو سرکاری خزانوں سے تنخواہیں دیے جانے کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے اس لیے اس کی مخالفت کی کہ اگر ان ائمہ کو تنخواہیں دی گئیں تو حکومت کی طرف سے یہ ہدایت آئیں گی کہ فلاں پارٹی یا حکومت کے فلاں امیدوار کی تائید میں مسجد میں تقریر کی جائے یا اس کے حق میں بیان دیا جائے، اسی لیے ہم نے حکومت کے ذمہ داروں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کسی قیمت پر بھی ہم یہ پسند نہیں کریں گے کہ ائمۂ مساجد سرکاری ملازم بن جائیں۔

یوپی کے وزیر اعلیٰ مسٹر ایچ این بہوگنا کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہماری نظر میں ایک شریف انسان تھے، انھوں نے ایک بار اسمبلی میں یہ اعلان کردیا تھا کہ یوپی حکومت سالانہ ایک لاکھ روپئے ندوہ کو دیا کرے گی، ہم نے یہ اعلان پڑھا تو بہوگنا جی کو خط لکھا کہ آپ ایک پڑھے لکھے انسان ہیں، ہندوستان کی تاریخ پر آپ کی نظر ہے، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے عالموں، دانشوروں، اور اسکالروں نے درختوں کے نیچے بیٹھ کر لوگوں کو تعلیم دی ہے، ہماری آپ سے درخواست ہے کہ ہندوستان کی یہ خصوصیت باقی رہنے دیجیے۔ پھر بہوگنا جی نے اصرار نہیں کیا۔

جب ہمارے یہاں ندوہ کا (۸۵ سالہ) جشن ہوا تو انھوں نے پیش کش کی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا یہ قانون ہے کہ بیرونی اہم مہمانوں کو وہ اپنے خرچ پر ٹھہراتی ہے، اس لیے ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم ان تمام مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام سرکاری سطح پر کریں، لیکن ہم نے ان کی یہ پیش کش بھی یہ کہہ کر قبول نہیں کی کہ جب ہم ان ملکوں میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھروں پر مہمان ہوتے ہیں، اب اگر یہ حضرات حکومت کے مہمان ہوں گے تو کہیں گے کہ ہم کو سرکاری مہمان بنایا۔

حضرت مولاناؒ نے اس بات پر زور دیا کہ سرکاری اثرات سے آزاد ہوکر ہی دینی مدارس اپنا کام انجام دے سکتے ہیں، کوئی شخص کتنی ہی تھوڑی امداد قبول کرے وہ بہر حال اثر انداز ہوتی ہے، چاہے دینے والا اس کا ارداہ بھی نہ کرے کہ ہم اس امداد کے ذریعہ کوئی کام لینا چاہتے ہیں، یا کوئی دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں، اس لیے کہ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بادشاہ یا امیر کے دس روپئے بھی جن کی ان کے یہاں کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے قبول نہیں کرتا ہے تو اس کا نفسیاتی اثر اس امیر پر پڑتا ہے، اور وہ اس سے یقینی طور پر متاثر ہوتا ہے۔

ہماری تاریخ ایثار وقربانی سے بھری ہوئی ہے، اور اس کے اس کثرت سے واقعات ہیں جو کہیں اور نہیں ملتے۔ پھر حضرت مولانا نے غلام علی نقشبندیؒ کا واقعہ بیان فرمایا کہ والی ٹونک نواب وزیر خاں (جو کہ آپ سے بیعت بھی تھا) کو معلوم ہوا کہ آپ کی خانقاہ میں روز آنہ پانچ پانچ سو مہمانوں کا کھانا پکتا ہے، اور یہ سارا خرچ آپ کے ہی ذمہ ہے اور آپ کی آمدنی کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے تو اس نے کچھ پیش کش کی۔ آپ نے جواب دیا کہ فقیر نے روزہ رکھا ہے، اب آفتاب عمر غروب ہونے کے قریب ہے، اور کوئی عقلمند شخص چاہے وہ جتنا ہی بیمار ہو غروب آفتاب کے وقت روزہ نہیں توڑتا۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کا بھی ہے کہ بادشاہ کی سواری گذرنے والی تھی، اور آپ اس کی طرف پاؤں کر کے بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے آپ کو مشورہ دیا کہ پاؤں سمیٹ لیں، بادشاہ کی سواری گذرنے والی ہے، آپ نے فرمایا کہ ہم نے ہاتھ سمیٹ رکھے ہیں اس لیے پاؤں سمیٹنے کی ضرورت نہیں۔

سیرت نبوی (ﷺ)

قرآن کریم کے آئینہ میں

مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

نبوت ملنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ایسے حالات سے گذارا گیا تھا جو انسانوں کے اپنے اختیار کردہ اجتماعی و معاشرتی اسباب اور اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں، اور طبعی طریقہ سے پیش آتے ہیں، ان کے اثر سے انسان کی مزاجی کیفیت اور صلاحیت کا ردکردگی کی تشکیل ہوتی ہے، اس کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کسی انسان کو بہتر سے بہتر انسان بنانے میں جو حالات کارفرما ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے مقدر فرمائے، یتیمی سے سابقہ پڑا، جو ایک طرف بے بسی اور مایوسی کا احساس پیدا کرتی ہے، لیکن اگر مخلص اور ہمدرد سرپرست مل جائیں تو بے بسی اور مایوسی کا احساس ختم ہو کر خود اعتمادی کی قوت پیدا ہوتی ہے، جو آپ ﷺ کو حاصل ہوئی۔ جس سے آپ کو بلند اخلاقی سطح کی زندگی ملی جو خود اعتمادی اور بلند نظری کا ذریعہ بنی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو معاشرہ میں قدردانی اور حسن ظن کا مقام حاصل ہوا کہ سب آپ کو صادق اور امین کہنے لگے، جو کسی دوسرے کو نہیں کہتے تھے۔

صادق سے مراد قول و عمل کی مطابقت اور جیسا کرنا مناسب ہے ویسا کرنا، یہی صدق کے معنی ہیں، آپ ﷺ کو صادق کہا گیا، جس سے آپ ﷺ کی زندگی میں قول و فعل کی مطابقت اور عمل کا بہتر سے بہتر طریقہ پر ہونا مراد ہے۔ اور امین سے مراد حقوق اور ذمہ داریوں کی بالکل صحیح ادائیگی ہے، آپ کو سب نے امین کہا کہ آپ ﷺ کی یہ خصوصی صفت تھی، کیوں کہ تعلیم و تعلم کا رواجی طریقہ آپ ﷺ کو معاشرہ میں نہیں ملا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی طبیعت اور ذہن کی تشکیل صرف فطری دائرہ میں اور خاندانی قدرروں کے تحت ہوئی، کسی استاذ کے خیالات کا یا انسانوں کے اختیار کردہ تعلیمی و تربیتی نظام سے متاثر ہونے کا موقعہ ملنے سے آپ ﷺ کو سابقہ نہیں پڑا، اس طرح جب آپ ﷺ فطری سطح پر بہتر سے بہتر اور تہذیبی و تمدنی افکار و خیالات اور ان کی مصنوعی طور و طریق سے بچ کر خالص، بہتر سے بہتر فطری خصوصیات کے حامل بن گئے تو اس میں اضافہ اور ترقی آسمانی ذریعہ تعلیم یعنی وحی کے مختلف طریقوں سے آپ ﷺ کو دی جانے لگی تا کہ آپ ﷺ کو فطری سطح پر جو صلاحیت اور خصوصیات حاصل ہوئی ہیں، جو ایک حوصلہ منداور اعلیٰ اقدار کے پابند انسان کے بننے میں معاون بنتی ہیں، ان میں خصوصی طور پر ایسا اضافہ ہو کہ وہ دوسروں کو بھی اعلیٰ صفات کا انسان بنا سکیں، تا کہ دوسروں کو درست بنانے اور پیغام الٰہی تمام انسانوں تک پہونچانے کی ذمہ داری آپ پر ڈالے جانے پر اس راہ میں پیش آنے والے حالات میں آپ کو مدد دینے اور رہنمائی کا ذریعہ بنیں۔

آپ ﷺ سب باتوں کے باوجود انسان تھے، مختلف حالات میں انسانی طاقت اور کیفیت انسانوں کی سطح تھی اس لیے مزید کام کے لیے مزید تقویت کی ضرورت تھی، وہ وحی الٰہی کے ذریعہ قرآن مجید کی شکل میں اور وحی کے دیگر طریقوں سے دی گئیں، وحی کے ذریعہ رہنمائی کی مثالیں قرآن مجید میں سورۃ الضحی میں، سورۂ الم نشرح میں اور سورۂ کوثر و دیگر سورتوں میں ہمیں صاف نظر آتی ہیں، مختلف حالات میں انسانی بنیاد پر آپ ﷺ کو جو فکر یا تشویش پیش آتی ہے، اس کا حل وحی الٰہی کے ذریعے سے ظاہر فرمایا گیا ہے اور تسکین کی صورت پیدا کی گئی ہے، ابولہب نے باوجود آپ ﷺ کے چچا ہونے کے آپ کے دعوت دین کے کام کے خلاف سخت محاذ قائم کر کے اور آپ ﷺ کے ساتھ تکلیف دہ رویہ اختیار کر کے بہت رنجیدہ بنایا اور سخت سست لفظ استعمال کیا، یعنی تبّاً لک کہا، آپ کی تسکین کے لیے وحی کے ذریعہ سے نازل کی ہوئی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی بربادی اور ٹوٹ پھوٹ تو اس کو ملے گی اور دشمنی کرنے والی بیوی کو ملے گی جو اس دنیا میں بھی محنت کی زندگی گذار رہی ہے، اور چند روزہ زندگی کے بعد بڑی زندگی میں سخت عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگی، یعنی وہ تو بے وقوفی کر رہا ہے اپنے کو تباہ کر رہا ہے، آپ کو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح جب آپ ﷺ پر طنز و تعریض کی گئی کہ آپ ﷺ کے نرینہ اولاد نہیں، جب کہ نرینہ اولاد کی اہمیت عربوں میں بہت زیادہ تھی، ان میں آپس میں لڑائیاں ہوتی تھیں، کسی خاندان میں لڑکے زیادہ ہوتے تھے تو اس کی جیت کے مواقع زیادہ ہوتے تھے، جب آپ ﷺ پر یہ طنز و تعریض کی گئی تو وحی الٰہی کے ذریعہ سے تسکین دی گئی کہ آپ ﷺ کو اللہ نے اس سے بہت بڑی چیز عطا کی ہے، جو کثرت بھی رکھتی ہے، اور آپ کے جو مخالفین ہیں انہیں کا سلسلہ ختم ہونے والا ہے، اور بعض بڑی سورتیں پوری کی پوری آپ کی تقویت اور تسکین کا سامان رکھنے والی نازل کی گئیں، مثلاً سورۃ القصص ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان کیا گیا کہ بچپنے میں ان کو ایسے حالات درپیش تھے کہ وہ قتل کر دیئے جاتے، لیکن اللہ نے ان کو بچایا، وہ غیروں اور دشمنوں میں پلے لیکن اللہ نے ان غیروں اور دشمنوں کو ہی ان کی حفاظت کا ذریعہ بنا دیا اور ان کو محفوظ رکھا، اور وہ غریب الوطنی پر مجبور ہوئے، وہاں بھی اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور پھر ان کو نبی بنایا، اور نبوت کی وجہ سے خونخوار دشمنوں سے سابقہ پڑا، اور دشمنوں کے شر سے برابر اللہ آپ کو بچاتا رہا، اور آخر میں دشمنوں کو اللہ نے تباہ و برباد کر دیا۔

یہ واقعات آپ ﷺ کو پیش آنے والے واقعات سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان کے تذکرہ سے آپ ﷺ کی تقویت کا سامان ہوتا ہے۔ اور اسی طرح سورۂ یوسف نازل فرمائی، اور بچپنے میں ان کو مار ڈالنے پر ان کے بھائی تل گئے، لیکن اللہ نے ان کو بچایا.....

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامی ذرائع ابلاغ کی ضرورت واہمیت

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی

موجودہ عہد میں ذرائع ابلاغ کو اصل حکمرانی حاصل ہے، اس کی اہمیت بعض وقت دفاعی اور تقلیدی نظام سے بڑھ جاتی ہے بعض ممالک ذرائع ابلاغ پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں، مغربی ممالک اس پر اپنے بجٹ کا بڑا حصہ خرچ کرتے ہیں، کمیونسٹ ممالک نے ذرائع ابلاغ کو مکمل طور پر قومیالیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں کی صحافت اپنی تمام تر شکلوں کے ساتھ قائدین کی فکر کا آئینہ دار ہوتی ہے، اس کی تلافی اور اس میں تاثر پیدا کرنے کے لیے یہ ممالک مخرب اخلاق مواد، فلمی موضوعات، اور تفریح طبع کے مضامین، تصاویر، افسانے اور جرائم کی تشہیر کرنے پر توجہ کرتے ہیں، اور تفریحی پروگراموں میں اپنے افکار کو شامل کردیتے ہیں۔

جہاں تک غیر اشتراکی مغربی صحافت کا تعلق ہے تو وہ پوری طرح آزاد ہے نہ اس پر فکری پابندیاں ہیں نہ ہی کسی فلسفہ کی حد بندیاں، اس کے پیش نظر صرف حصول دولت، اور شہرت وناموری ہے، وہ ان تمام چیزوں کے شائع کرنے میں بڑی مستعدی دکھاتے ہیں جو دلوں کی موہ لینے اور ذہن ودماغ کی تسخیر کی ذرا بھی صلاحیت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ موجودہ صحافت فکری پراگندگی، بے حیائی اور لغویات کی اشاعت کا وسیلہ بن کر رہ گئی ہے، دنیا کے بڑے اخبارات، عالمی نیوز ایجنسیوں سے اخباری مواد حاصل کرتے ہیں اور یہ عالمی ایجنسیاں اخبارات کو فکری غذا پہونچاتی ہیں، وہ خبروں کے انتخاب اور ان کی تحریر میں اپنے تصور کو شامل کردیتی ہیں، بعض بڑے اخبارات کے اپنے نمائندے ہوتے ہیں جو مختلف علاقوں سے رپورٹیں بھیجتے ہیں یہ اخبار کے مالکین کے ذہن کی عکاسی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں کی بیشتر ایجنسیاں صہیونی ہیں یا عالمی انٹیلیجنس کے ماتحت ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتی ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ تمام اخبارات عالم اسلام کے حالات مسخ شدہ شکل میں پیش کرتے ہیں،

ذرائع ابلاغ کی دوسری قسم، ریڈیو، ٹیلی ویژن کا نظام ہے جو صحافت سے زیادہ کارگر ہے اور جس کا حلقہ اثر وسیع تر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صحافت کا حلقہ اثر پڑھے لکھے یا ان کے زیر اثر لوگوں تک محدود ہے لیکن اس کے برعکس ریڈیائی نظام کا رقبہ اثر اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے کیونکہ اس سے بچے بھی دلچسپی لیتے ہیں اور مرد وزن، چھوٹے بڑے، عالم وجاہل سب ہی لطف اندوز ہوتے ہیں، اسی طرح ٹیلی ویژن ریڈیو نظام سے کہیں زیادہ با اثر ہے کیونکہ وہ مناظر متحرک اور مشاہد طور پر پیش کرتا ہے جس نے زندگیوں کا متاثر نہ ہونا اور ذہن ودماغ کا اثر قبول نہ کرنا ناممکن ہے کیونکہ وہ انسان کو خارجی ماحول ہی سے نہیں بلکہ اس ماحول سے جوڑ دیتا ہے جو ہزاروں میل کے فاصلہ پر ہے۔

انھیں ذرائع ابلاغ میں ویڈیو کیسٹ سنیما اور ڈرامے بھی ہیں جو پردہ پر مناظر کو متحرک شکل میں پیش کرتے ہیں جن سے ذہن سازی، ذوق آرائی، معاشرہ کی تشکیل مختلف نقطہائے نظر زندگی کے حالات لوگوں کے جذبات وتاثرات سے واقفیت کا کام لیا جاتا ہے۔

یہ جدید ذرائع ابلاغ اپنے اندر حد درجہ اثر اور صلاحیت کار رکھتے ہیں اور جدید معاشرہ کی تشکیل، نئی نسل کی تربیت میں اسلامی معاشرہ کو ان وسائل کی کہیں زیادہ ضرورت ہے لیکن ان ذرائع پر مختلف تخریب پسند تحریکوں کا تسلط ہے، جس سے وہ فکری انقلاب برپا کرنے، جدید معاشرہ کو ڈھالنے کا کام لیتے ہیں بلکہ وہ ان سے اس طرح کام لے رہا ہے جس طرح جاسوسوں سے کام لیا جاتا ہے، وہ ہر گھر میں داخل ہورہے ہیں اور ہر شخص ان کا اثر قبول کرتا ہے، ان تمام اداروں نے اخلاقیات کے باب میں تصور تناسب ہی نہیں بلکہ وجودیوں کا اصول جنس بھی قبول کرلیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان پردوں پر سات کی نمائش کا تناسب حسنات سے بڑھا ہوا ہے اسی طرح ان اداروں نے آزادی نسواں کے مطلب پرست تصور کو اپنا لیا ہے جس کے بعد ان کی حیثیت خبر رساں تنظیموں کے سامنے بے وقعت سامان کی سی ہوگئی ہے۔

ذرائع ابلاغ کے لیے فکر اسلامی کی روشنی میں جدید فلسفۂ تعلیم کی تشکیل ہونی چاہیے اور صاحب فکر وفن اور اہل علم وقلم کی ایک جماعت کو اس طرح تربیت دینی چاہیے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوسکے اسلام کا زندگی اور انسان کے بارے میں جو تصور ہے اس کا ساتھ دے سکے، بعض قائدین نے ادارۂ صحافت اسلامی، اور اسلامی دور درشن تنظیم بھی قائم کی جو فکر اسلامی کی بنیادوں پر پروگرام مرتب کرتی تھی اور تمام اسلامی اخبارات کو اخباری مواد فراہم کرتی تھی لیکن ظاہر ہے کہ ان تنظیموں کا دائرہ کار نہایت محدود ہے کیونکہ یہ تمام کوششیں شخصی پیمانہ پر ہوئی ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

صحافت اور لاسلکی نظام نے (جو پوری طرح صہیونی طاقتوں کے زیر اثر ہے) مغربی ممالک میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور اسلام کو مسخ کرنے زبردست کردار ادا کیا ہے، عالم اسلامی کی جانبدارانہ اور معاندانہ تصویر کشی کر کے یورپ وامریکہ کے مقیم مسلمانوں اور عربوں کے خلاف بڑے گھناونے پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں اور انھیں مغربی نیوز ایجنسیوں سے عالم اسلامی کے اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ استفادہ کر کے اپنے اپنے نشریوں کو مرتب کرتے ہیں اور اس طرح ان کے دام میں آ پھنستے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہمارے ذرائع ابلاغ کی مستقل حیثیت نہ ہو ہماری صحافت ترقی یافتہ، فنی، اصول وضوابط کی پابند نہ ہو اور ہماری تخلیقات دلکش اور زندگی کے لیے مؤثر نہ ہوں اس وقت تک نہ اسلام مخالف وسائل و ذرائع پر قابو پایا جاسکتا ہے اور نہ ان حالات کا خاطر خواہ مقابلہ ہی کیا جاسکتا ہے۔

ماضی قریب میں صحافت، ریڈیو نیوز ایجنسیاں، جیسے ذرائع ابلاغ نے رائے عامہ کی ہمواری کے سلسلہ میں زبردست کام کیا ہے، اس نے قابلِ نفرت اشخاص کو لائقِ عظمت ومحبت اور عزت ومحبت کے مستحق اقدار کو قابلِ نفرت بنادیا ہے۔

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کو بھڑکانے میں اسی پرفریب ذرائع ابلاغ کا کمال ہے کہ ہیجان انگیز ویڈیو کیسٹوں کا استعمال، مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز خبروں کی تشہیر اور ہندو مظلومیت کی من گھڑت جذباتی نشریے نے پٹرول کو ماچس دکھانے کا کام کیا اور عوام ان نشریوں کے سننے اور جاذب نظر اور دلفریب اخبارات کو پڑھنے پر مجبور ہیں۔

جب بھی کوئی ایسا وقت آتا ہے ایک اسلامی متوازن وسیلہ ابلاغ کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے جو حق کا پابند ہو راستی وآزادی جسکا نصب العین ہو جو عوام کو بآسانی دستیاب ہو سکے اور لوگوں کی توجہ مبذول کر سکے اس کی آواز، سنی جائے اس کو پڑھا جائے اس کی باتوں پر غور کیا جائے تا کہ مسلمان ٹھیک ٹھیک رائے قائم کر کے اس کی روشنی میں اپنی زندگی کے خطوط متعین کر سکیں۔

آج اسلامی معاشرہ کو ایسی صحافت کی ضرورت ہے جو نہ مغربی صحافت کی طرح شتر بے مہار ہو کہ قلم کاروں، کالم نگاروں کے دل میں جو آجائے اس کو کورے کاغذ پر اتار دے اور نہ ہی اشتراکی صحافت کی طرح بے دست وپا ہو کہ بیرونی دنیا کو تاریکی میں رکھنے، معاشرہ کے غیر واقعی حالات کو پیش کرنے کے سوا کوئی کام نہ کر سکے اور ایک خبر نامہ کی حیثیت اختیار کر لے بلکہ وہ صحافت ایسی ہو کہ دنیا کو باور کرائے کہ وہ پاکیزگی واحتساب، اصول پسندی، احساس ذمہ داری پر یقین رکھتی ہے، تعمیری تنقید سے کام لیتی ہے اور اپنے قاری کے جذبات کا احترام اس وقت تک کرتی ہے جب تک کہ انفرادی یا اجتماعی کسی حیثیت سے فکر اسلامی سے متصادم نہ ہو۔ وہ ایسی صحافت ہو جس کے اندر احساس ذمہ داری ہو، اپنا ایک پیغام رکھتی ہو، چند اصولوں اور ضابطوں کا پابند ہو۔

بقیہ: سیرت نبوی-قرآن کریم کے آئینہ میں

اور پھر بڑے سخت حالات میں غیروں میں اور بے عزتی جیسے حالات میں ان کا نشو ونما ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کو خطرات سے بچایا، آخر میں ان کی عزت کے اسباب پیدا کئے، اور ایسی عزت عطا فرمائی کہ وہ ایک طرف بادشاہ کے نائب بنے، اور دوسری طرف ان کو نبوت عطا ہوئی، اور یہ دوہری عزت ملی، اس طرح دوسروں کے لیے بطور رہنمائی یہ الفاظ کہے۔ جو احتیاط کی زندگی گذارتا ہے اور مشکلات کو صبر وسکون کے ساتھ برداشت کرتا ہے، ایسے اچھے لوگوں کے اجر کو اللہ ضائع نہیں کرتا ﴿و من یتق و یصبر فإن اللہ لایضیع أجر المحسنین﴾ اسی طرح آپ کو دشمنوں پر کامیابی حاصل ہونے کے حالات میں جو اجتماعی اور نفسیاتی کیفیات پیدا ہوئیں، ان میں بھی آپ کی رہنمائی وحی کے ذریعہ سے کی جاتی تھی کہ جن سے آپ کی تو رہنمائی ہوتی تھی، اور آپ کے ماننے والے اور اصحاب کی تربیت ہوتی تھی، اس طریقہ سے وہ اعلیٰ معاشرہ قائم ہوا، جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، یہ صحابہ کرام کا معاشرہ تھا جو اپنے نبی کی عقیدت اور محبت رکھنے کی بناء پر ان کی نظیر کو دیکھتے تھے، اور ان کے عمل کو اپنے لیے قابل تقلید نمونہ سمجھتے تھے، گویا کہ اسی قالب میں ڈھلے تھے جو قالب ان کے نبی کو پروردگار عالم سے عطا کیا گیا تھا، اس طریقہ سے وحی الٰہی سے صرف آپ ہی کی تربیت وتشکیل نہیں ہوئی بلکہ آپ کی وساطت سے آپ کے تمام اصحاب کی ہوئی، ﴿محمد رسول اللہ والذین معه أشداء علی الکفار رحماء بینهم، تراٰهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا، سیماهم فی وجوههم من أثر السجود...﴾ الخ۔ اسی کی تشریح آپ کے اس جملہ میں ملتی ہے کہ "أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم" ان سارے نتائج کا اصل اور اہم ذریعہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید رہا، اور قرآن مجید میں وحی کا وہ حصہ رکھا گیا کہ جس سے ایمان رکھنے والے تا قیامت استفادہ اور اتباع کا حکم حاصل کر سکیں، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا، اور اس کے انتظام کی صورتیں طے فرمادیں، اور اس استفادے کو ذکر کے لفظ سے ظاہر فرمایا، جو قرآن مجید کے ناموں میں سے ایک نام ہے فرمایا۔ ﴿إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون﴾۔ (ہم ہی نے یہ نصیحت والی کتاب نازل کی اور ہم ہی اس کی یقینی حفاظت کرنے والے ہیں)

اس طرح قرآن مجید میں جن باتوں کی تعلیم دی گئی ہے، اور جو اعلیٰ اقدار و صفات بتائی گئیں ہیں وہ آپ کی حیات طیبہ میں پوری طرح پائی جاتی تھیں، اور ان سے آپ کی حیات طیبہ قرآن مجید کا پرتو تھی، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا حضور ﷺ کے ساتھ رفاقت بہت کم عمری سے ہوئی، اور کم عمری میں آدمی کو جن باتوں سے اور جن حالات سے سابقہ پڑتا ہے ان کا نقش اور ان کا اثر بہت گہرا اور پائیدار ہوتا ہے، چنانچہ انہوں نے آنحضور ﷺ کے جن حالات کو دیکھا، وہ کم عمری میں دیکھا اور اس کا نقش زیادہ بہتر طریقہ سے ان کے دل ودماغ پر پڑا، اسی لیے ان کی احادیث سے حضور ﷺ سے حالات اور اقوال کی بڑی اچھی ترجمانی ملتی ہے، انہوں نے آپ کے اخلاق وصفات کے سلسلہ میں یہ فرمایا "کان خلقه القرآن" یہ ان کے وہ اخلاق تھے جو قرآن کریم سے معلوم ہوتے ہیں، ان کے ایک جملے کو پھیلایا جائے تو کئی مجلد کتابیں تیار ہوسکتی ہیں، قرآن مجید میں وہ باتیں جو پیش کی گئیں جن کا تعلق آپ کے معاملات اور طریقہ کار سے ہے دونوں میں بڑی اچھی مطابقت ملتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

انسان

اور معرفتِ رب

بلال عبدالحی حسنی ندوی

قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالی کی قدرت وحکمت کا بیان ملتا ہے، تمام انسانوں کو اس کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ انفس وآفاق میں اللہ کی بکھری ہوئی نشانیوں پر غور کریں اور اس سے اپنے مالک حقیقی تک پہنچنے کی کوشش کریں، سورہ بقرہ کی ایک آیت میں جہاں تمام انسانوں کو ایک اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ تمام انسانوں کا خالق صرف اور صرف وہی اللہ ہے، وہیں آگے اس کی قدرت کے مظاہر بیان کیے گئے ہیں، کہ انسان سوچے اور غور کرے کہ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں کا پیدا کرنے والا صرف وہی ہے تو کون اس کے علاوہ عبادت کا مستحق ہوسکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے، ﴿الّذی جعل لکم الأرض فراشا والسماء بناءً وأنزل لکم من السماء ماءً فلا تجعلوا للّٰہ انداداً وأنتم تعلمون﴾ (جس نے زمین تمہارے لیے بچھونا اور آسماں کو سائبان بنایا اور اوپر سے تمہارے لیے پانی اتارا تو اللہ کے برابر کسی کو مت ٹھراؤ جبکہ تم جانتے ہو)۔

یہ زمین اللہ کی قدرت کے بڑے مظاہر میں سے ہے، اسی پر انسان رہتا ہے، مکانات تعمیر کرتا ہے، کھیتی باڑی کرتا ہے، مگر کتنے لوگ ہیں جو اللہ کی اس عظیم نعمت کے بارے میں سوچتے ہیں، اللہ نے اس میں زندگی کا ساماں رکھا، طرح طرح کے موسم بنائے، سورج پیدا کیا جو اس کو ضرورت کی گرمی پہنچاتا ہے، چاند اپنی چاندنی بکھیرتا ہے اس سے پیداوار میں نمو پیدا ہوتی ہے اور طرح طرح کے فوائد ہیں، ستارے بنائے جن سے آدمی سمتوں کی تعیین کرتا ہے، بڑے بڑے پہاڑ پیدا فرمائے اور ان کو زلزلوں سے بچاؤ کا ذریعہ بنایا، ندیاں اور نہریں جاری کی، زمین کے نیچے میٹھے پانی کا اتنا بڑا ذخیرہ رکھ دیا کہ آدمی نکالتا رہے اور ختم نہ ہو، کیا انسان سوچتا ہے کہ یہ ساری چیزیں کہاں سے آگئیں، صرف اگر بارش بند ہوجائے تو انسان کی زندگی دشوار ہوجائے، یہ لہلہاتی زمین تپتے ہوئے صحرا میں تبدیل ہوجائے۔

واقعہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں کسی ملحد نے جو اللہ کا منکر تھا اور دنیا کی تمام چیزوں کو اتفاقی قرار دیتا تھا، یہ کہا کہ میرے کچھ سوالوں کا جواب اگر کوئی دے دے تو میں اللہ کو مان لوں گا، امام صاحبؒ نے اس کا چیلنج قبول کرلیا، اور اس کے لیے ایک جگہ اور وقت طے کرلیا گیا، امام صاحبؒ نے پہنچنے میں کافی تاخیر کی وہ دیکھتے ہی برہم ہوگیا کہ جب آپ وقت پر آئے نہیں تو آپ جواب کیا دیں گے اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ پہلے میرا عذر سن لیں پھر آپ کو سب کچھ کہنے کا حق ہے، ہوا یہ کہ میرے راستہ میں دریا پڑتا ہے آج اتفاق سے کوئی کشتی نہیں تھی تو میں انتظار میں دیر تک کھڑا رہا، کشتی تو پھر بھی نہیں مل سکی، البتہ میں نے دیکھا کہ ایک درخت اچانک پھٹا اور اس میں سے تختے نکلے اور خود بخود کشتی بن کر تیار ہوگئی اور میں اس پر سوار ہوکر دریا پار ہوگیا وہ کہنے لگا آپ کیسی احمقانہ بات کہتے ہیں، کہیں یہ سب خود بخود ہوتا ہے امام صاحبؒ نے کہا کہ یہ آپ کے بنیادی سوال کا خود ہی جواب ہوگیا، پوری کائنات اتنا بڑا نظام کیا خود ہی وجود میں آگیا، ذرا بھی اگر کوئی عقل رکھتا ہوگا تو یہی کہے گا کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، انسان اسباب تلاش کرتا ہے، اور ایک کے پیچھے ایک سبب ڈھونڈتا ہے لیکن ایک مرحلہ پر جا کر اس کی عقل کام کرنا بند کردیتی ہے اور اس کو کہنا پڑتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی زبردست طاقت کام کررہی ہے، یہ کون سی زبردست طاقت ہے اور کس کی ہے جو ماورائے عقل وتجربہ کام کررہی ہے، بہت انسانوں سے اس کے فرضی نام رکھ لیے لیکن خود اس قدرت رکھنے والے نے اپنی پہچان کے لیے اپنے خاص بندوں کو منتخب کیا اور ان پر وحی بھیجی تاکہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنے رب کو پہچان سکے اور اس کی عبادت کرسکے۔

﴿وللّٰہ الأسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا وذروا الذین یلحدون فی أسمائہ﴾ (اور اللہ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں غلط روش اختیار کرتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے کہ وہ اس کا صحیح استعمال کرے اپنے خالق ومالک کو پہچاننے کے لیے اس کا استعمال کرے لیکن اللہ نے اس کے بھی حدود رکھے ہیں، اس نے اپنے نبیوں کو اسی لیے بھیجا ہے، تاکہ وہ ان حقائق تک بھی انسان پہنچا سکیں جہاں تک اس کی عقل کام نہیں کرتی، اس لیے کہ عقل محسوسات کو برت کر ہی کوئی راستہ متعین کرتی ہے، اور محسوس اشیاء کو جوڑ کر تجربات سے غیر محسوس تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے اور اس میں غلطیاں بھی کرتی ہے پھر تجربات ہی سے متعین شکل کا وجود ہوتا ہے، لیکن جو چیزیں بالکل غیر محسوس ہیں، اور بالکل چھپی ہیں، جن کو شریعت کی اصطلاح میں ''غیب'' کہا جاتا ہے ان کا علم صرف نبیوں سے ہوتا ہے، اور یہاں انسان کے لیے یہ حقیقت سمجھنا ضروری ہے کہ بہت سے چیزیں اس کے حدود سے آگے کی ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

موجودہ توریت میں

قربانی و توبہ کا تصور

ایک مطالعہ

عبدالسبحان ناخداندوی

موجودہ توریت میں گناہوں سے توبہ کے لیے کاہن (مذہبی پیشوا) کی شرط جگہ جگہ نظر آتی ہے، یعنی جب تک اس دینی ذمہ دار کے پاس آکر آدمی اپنے آپ کو پاک وصاف نہیں کرے گا اس وقت تک اس کا گناہ معاف نہیں ہوگا، پھر اسکے لمبے چوڑے طریقے بھی ذکر کیے گئے ہیں، اسی طرح ہر گناہ کا کوئی نہ کوئی کفارہ بھی رکھا گیا ہے جس میں ایک حصہ اس مذہبی پیشوا (جس کے لیے مترجمین ''کاہن'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں) کا ضرور رکھا گیا ہے جو گناہ معاف کراتا ہے۔

تعجب اس پر بھی ہوتا ہے کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی ان مذہبی ٹھیکیداروں کی بڑی اونچی حیثیت دکھائی گئی ہے، جس کے سامنے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت بھی کچھ دب سی جاتی ہے، جبکہ یہ بات طے ہے کہ ہر زمانے کا نبی اپنے دور میں ''مطاع'' ہوتا ہے، جس کی غیر مشروط اطاعت لازم ہے، اگر چہ توریت میں یہ مذہبی ذمہ داری حضرت ہارون کی اولاد کو تفویض کی گئی ہے، پھر بھی ایک جلیل القدر نبی کی موجودگی میں غیر نبی کو اس درجہ اہمیت دینا یہ دکھاتا ہے کہ یہاں بھی کچھ نہ کچھ تحریف کی جھاڑو پھیری گئی ہے۔

توبہ واستغفار، ایک مشکل عمل

توبہ واستغفار کو بہت مشکل بنا کر دکھایا گیا ہے، اور مذہبی ذمہ داروں کو جس شکل میں پیش کیا گیا ہے اس سے وہ ایک موحد، خدا پرست قوم کے ائمۂ ہدایت معلوم نہیں ہوتے ہیں بلکہ ایک مشرک قوم کے مذہبی ٹھیکیدار سے لگتے ہیں، جیسے ہندوستان میں مندروں کے پجاری اور پنڈت ہوتے ہیں یا مزاروں کے سجادہ نشین ہوتے ہیں جن کا کام ہی عوام سے نذرانے وصول کرنا اور ان کو جنت کا ٹکٹ فراہم کرنا ہے۔

توریت کی یہ عبارت ملاحظہ ہو ''میرے لیے آگ جلا کر چڑھائی جانے والی نذروں میں سے میں نے اسے اس کے حصے کے طور پر انہیں دیا ہے اور خطا کی قربانی اور جرم کی قربانی کی طرح یہ بہت ہی پاک ہے اور ہارون کی نسل کے سارے مرد اسے کھا سکتے ہیں، اور خداوند کو بذیعہ آتش پیش کی جانے والی قربانیوں میں سے پشت در پشت ان کا حصہ انہیں قانوناً ملتا رہے گا اور جو کوئی ان سے چھو جائے وہ پاک ٹھہرے گا'' (احبار، ۶:۱۴۔۱۸)

یہ عبارت جہاں سے ہم نے لی ہے اس کا عنوان ہے ''اناج کی نذریں'' ایک اور عنوان ہے ''جرم کی قربانی'' اس کی یہ عبارت ملاحظہ ہو ''جرم کی قربانی کا جانور اسی جگہ ذبح کیا جائے جہاں سوختنی قربانی کا جانور ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا خون مذبح کے مقابل تمام اطراف میں چھڑک دیا جائے اور اس کی ساری چربی نذر کے طور پر چڑھائی جائے.....اور دونوں گردے اور ان کے اوپر کی چربی اور جگر کی جھلی گردوں سمیت ان سب کو الگ کر لیا جائے، کاہن ان کو خداوند کے لیے بطور آتشیں قربانی مذبح پر جلائے یہ جرم کی قربانی ہے، اور کاہن کے گھرانے کا ہر مرد اسے کھا سکتا ہے، لیکن یہ کسی پاک جگہ کھائی جائے، یہ نہایت ہی پاک ہے.....اور ہر ایک نذر کی قربانی خواہ اس میں تیل ملا ہو یا وہ خشک ہو اس میں سے ہارون کے سب بیٹے برابر حصہ پائیں گے'' (احبار، ۷: ۲-۶-۱۰)

اسی طرح اس باب میں مختلف قربانیوں کا ذکر ہے، جیسے سوختنی قربانی، جرم کی قربانی، خطا کی قربانی، اناج کی نذریں، رفاقت کا ذبیحہ، اناج کی قربانی، ان میں بعض عناوین دو دو دفعہ ذکر کیے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت کاہنوں کا حصہ ضرور رکھا گیا ہے، بلکہ الگ سے ایک عنوان ہی ''کاہنوں کا حصہ'' کے نام سے ہے، اس کی یہ عبارت ذرا دیکھی جائے ''میں نے بنی اسرائیل کی رفاقت کی قربانیوں میں سے وہ سینہ جو اوپر اٹھا کر ہلایا گیا اور وہ ران جو پیش کی گئی لے کر انہیں ہارون کاہن اور اس کے بیٹوں کو دے دیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی جانب سے ان کا دائمی حصہ ہو'' (احبار، ۷:۳۴)

خطا کی معافی کے لیے بھی کفارہ ضروری تھا، اس میں بھی کاہن ہی واسطہ بنتا تھا، توریت میں خطا کی قربانی کے عنوان سے جو ضوابط بیان کیے گئے ہیں اس کی آخری عبارت یہ ہے ''اس طرح کاہن ان خطاؤں میں سے جو اس سے (یعنی خطا کار سے) سرزد ہوئی ہیں کسی خطا کے لیے اس کا کفارہ دے تو اسے معافی ملے گی اور نذر کا باقی حصہ کاہن کا ہوگا جیسا کہ اناج کی نذر کا ہوتا ہے'' (احبار، ۵: ۱۳)

اسی طرح ''رفاقت کا ذبیحہ'' کے عنوان کے ذیل میں توریت کی یہ عبارت ملاحظہ کی جائے ''اور رفاقت کے ذبیحہ کی قربانی کے ساتھ جو شکرانے کے لیے ہوگی وہ خمیری ٹکیاں بھی نذر پیش کرے اور ہر چڑھاوے کا ایک ایک حصہ وہ خداوند کے لیے ہدیے کے طور پر لائے اور یہ اس کاہن کا ہوگا جو رفاقت کے ذبیحہ کا خون چھڑکتا ہے'' (احبار، ۷: ۱۳۔۱۴)

کاہن کا اختیار اس حد تک بڑھایا گیا ہے، ایک نمونہ ملاحظہ ہو ''اپنی خطا کے بدلے نذر کے طور پر ایفہ کے دسویں حصہ کے برابر میدہ خطا کی قربانی

www.abulhasanalinadwi.org

کے لیے لائے.....اور وہ اسے کاہن کے پاس لائے جو اس میں مٹھی بھر یادگاری کے حصہ کے طور پر لے کر اسے مذبح پر ان قربانیوں کے اوپر رکھ کر جلائے جو خداوند کو آتشیں قربانی کے طور پر گزاری گئی ہوں یہ خطا کی قربانی ہے، اسی طرح کاہن ان خطاؤں میں سے جو اس سے (یعنی خطا کار سے) سرزد ہوئی ہیں کسی خطا کے لیے اس کا کفارہ دے تو اسے معافی ملے گی اور نذر کا باقی حصہ کاہن کا ہوگا جیسا کہ اناج کی نذر کا ہوتا ہے" (احبار، ۵: ۱۱-۱۳) مزید تشریح کے لیے دیکھیے (احبار، ۵:۵-۶)

ایک طرف توریت کی رو سے گناہ سے توبہ کے لیے یہ قوانین نظر آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطیوں کی معافی کے لیے تین چیزیں ضروری تھیں (۱) قربانی، (۲) کاہن کا واسطہ، (۳) قربانی میں کاہن کا حصہ، دوسری طرف قرآن کریم کو دیکھیں کہ بنی اسرائیل کے لیے کس قدر صاف شفاف اور واضح قوانین بیان کرتا ہے جن میں نہ واسطے ہیں نہ نذرانے، بس متعین احکام کا ذکر ہے، جن کی پابندی پر اللہ کی طرف سے گناہ کی معافی اور جنت میں داخلے کا اعلان ہے ﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْباً، وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَّأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ ترجمہ: "بلاشبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور ہم نے ان میں بارہ نقیب بھیجے، اللہ نے یہ کہا میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم کروگے، زکوٰۃ ادا کروگے، میرے رسولوں پر پورا ایمان رکھوگے، اور اللہ کو اچھا قرض دوگے (نہ کہ کاہنوں کی جیبیں بھروگے) تو میں ضرور تمہاری برائیوں کا خاتمہ کردوں گا، اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی، لہٰذا اس پیغام کے بعد بھی تم میں سے جو کوئی (اسے) ٹھکرادے گا تو وہ صحیح راستہ سے بھٹک کر دور جا پڑے گا"

دوسری طرف یہ ارشاد ہے، یہ بات بھی بنی اسرائیل ہی سے کہی جارہی ہے، ﴿وَإِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ ترجمہ: "بلاشبہ میں تو بھرپور مغفرت کرنے والا ہوں ہر اس شخص کی جو توبہ کرے، مکمل ایمان رکھے، عمل صالح کرے، پھر صحیح راستہ پر رہے"۔

ان ارشادات سے جو تصویر ابھر رہی ہے وہ بنی اسرائیل کے عین مطابق ہے، وہ ایک موحد قوم تھے، جس طرح اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو مخاطب کیا ہے لگ بھگ وہی انداز بنی اسرائیل کو مخاطب کرنے کا ہے، بنی اسرائیل سے خطاب کرنے والی آیات میں کہیں بھی ان واسطوں اور نذرانوں کا اشاروں میں بھی ذکر نہیں ہے جن کو توریت سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرتی نظر آتی ہے، بلکہ الٹے قرآن کے بیان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بعد میں جب گمراہی جڑ پکڑنے لگی تو اس طرح کی خرافات مذہب کے نام پر دین میں گھس آئی ہوں، جن کا واحد مقصد مذہبی ٹھیکیداروں کو کھلا پلا کر موٹا کرنا اور عوام الناس کو بے خبر رکھ کر خود ساختہ جنت کے ٹکٹ فروخت کرنا ہو، قرآن حکیم اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّ كَثِيْراً مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ترجمہ: "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو بہت سارے احبار (یہودی عالم) اور رہبان (عیسائی راہب) لوگوں کا مال ناحق ہڑپ کرتے تھے اور اللہ کے راستہ سے روکتے تھے"۔

اصل حقیقت: اندازہ یہی ہے کہ یہ کوئی سادہ سی شکل ہوگی، یعنی گناہ سرزد ہونے پر کسی اللہ کے نیک بندے کے پاس آکر کوئی اس سے بھی استغفار کی درخواست کرتا ہوگا، اسی طرح نیکی کے جذبہ سے کوئی چیز اللہ کے راستہ میں قربان کرنا ہو تو کسی اللہ والے کے ذریعہ اس طرح کی قربانی کی جاتی ہوگی، اسی کو بعد میں مذہبی رنگ دینے کے لیے منحرفین نے توریت میں تحریفات کا انبار لگا دیا ہوگا، جس کی رو سے کسی شخص کا کوئی گناہ کاہن (مذہبی پیشوا) کے سامنے حاضر ہوکر نذر و نیاز کے ذریعہ معافی تلافی کیے بغیر معاف ہو ہی نہ سکے، پھر یہی چیز مذہبی کاروبار بن گئی ہو جس کے ذریعہ ایک طبقہ مال کی حرص میں کتاب اللہ کو بیچنے لگا ہو اور دوسرا طبقہ اسی پہلے طبقہ کی دی ہوئی جھوٹی بشارتوں کا سہارا لیکر گندگیوں میں ڈوبتا چلا گیا ہو، پھر بھی اپنے آپ کو پاک وصاف سمجھ کر جنت میں داخلہ کا اعلیٰ درجہ کا مستحق سمجھنے لگا ہو، شاید اس آیت کا یہی مطلب ہوگا جو آگے پیش کی جارہی ہے: ﴿اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ﴾ ترجمہ: "انہوں نے (یہود و نصاریٰ دونوں نے) اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور اپنے راہبوں کو رب بنا لیا، خاص طور پر مسیح بن مریم کو تو پورا رب ہی بنا ڈالا" اسی طرح قرآن حکیم میں جابجا اس کا جو تذکرہ آیا ہے کہ یہود کتاب الٰہی کی آیات کو بیچ کھاتے تھے اس کی ابتدا بھی شاید انہی کاہنوں کے نذرانے ہوں:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهُ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ﴾ ترجمہ: "جب اللہ نے اہل کتاب سے پختہ عہد لیا کہ تم کتاب الٰہی کو لوگوں کے سامنے ضرور کھول کھول کر بیان کروگے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور اسے بیچ کر معمولی قیمت بدلہ میں لی، بڑی بری چیز تھی جسے یہ خریدا کرتے تھے"۔

توریت کے مطالعہ کے دوران بعض چیزیں کھٹکتی ہیں، بالخصوص پاکی و ناپاکی کا قانون اور سو ختنی قربانی، ہم بالترتیب دونوں کو بیان کرتے ہیں۔

پاکی کا قانون: اللہ نے امت مسلمہ کے لیے کسی قدر آسان ضوابط رکھے ہیں، ان کی قدر توریت میں موجود احکام کو دیکھ کر ہوتی ہے، اب یا تو یہ ہوسکتا ہے کہ ان احکام میں بھی یہودیوں نے اپنی افتادِ طبع کی بنا پر تحریف کی ہو اور جو چاہا لکھ مارا ہو، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود ان کی شرارتوں کی وجہ سے اللہ رب العزت نے بطور سزا کے یہ سخت قوانین جاری کیے ہوں، قرآن کریم میں دوسری چیز کی طرف اشارات ملتے ہیں، جیسے ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا

www.abulhasanalinadwi.org

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ ترجمہ: ''یہودیوں کے ظلم کی پاداش میں ہم نے صاف ستھری چیزیں ان پر حرام کردیں جو ان کے لیے حلال تھیں'' طیبات کے مفہوم کو وسیع کیا جائے تو پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لیے جن پاکیزہ ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی طیبات میں شامل ہو سکتے ہیں، چونکہ یہود ظلم کی پاداش میں بہت ساری پاکیزہ چیزوں سے محروم کردئے گئے تھے اس لیے ہوسکتا ہے کہ پاکی وناپاکی سے متعلق یہ سخت قوانین بھی ''تحریم طیبات'' کی قبیل سے ہوں، اس سخت قانون کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں:

''تمہیں ناپاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں، اور جو کوئی انسان ان کی لاش چھوئے گا وہ شام تک ناپاک رہے گا'' (احبار، ۱۱:۲۴) آگے پوری تفصیل ہے:

''اگر ان میں سے (یعنی ناپاک چیزوں میں سے) کوئی کسی مٹی کے برتن میں گر جائے تو اس کے اندر کی ہر ایک چیز ناپاک ہو جائے گی، لہٰذا تم اس برتن کو توڑ ڈالنا'' (احبار، ۱۱:۳۳)

''جو کوئی ان (زمین پر رینگنے والے) مرے ہوئے جانوروں کو چھوئے گا وہ شام تک ناپاک رہے گا'' (احبار، ۱۱:۳۱)

اسی طرح جو خواتین زچگی کے مرحلہ سے گزریں ان کی پاکی کے لیے بھی کاہن کا واسطہ ضروری قرار دیا گیا ہے، یہ عبارت ملاحظہ ہو، ''جب لڑکے یا لڑکی کے لیے اس کی طہارت کے دن پورے ہو جائیں تو سوختنی قربانی کے لیے یک سالہ برّہ اور خطا کی قربانی کے لیے کبوتر کا ایک بچہ یا قمری خیمہ اجتماع کے دروازے پر کاہن کے پاس لائے اور کاہن ان کو اس عورت کا کفارہ دینے کے لیے خداوند کے حضور پیش کرے تب وہ اپنے جریانِ خون سے رسماً پاک ہوگی'' (احبار، ۱۲:۶-۷)

اسی طرح بیماریوں کے تعلّق سے بھی قوانین بظاہر اضافہ معلوم ہوتے ہیں، اس میں بھی کاہن کے توسط سے پاکی یا ناپاکی کا فیصلہ کیا جائے گا، یعنی جب تک کاہن خوب جانچ پرکھ کر فیصلہ نہیں کرتا تب تک ایسا شخص درمیانی حالت میں معلق رہے گا، پھر کاہن کا جو بھی فیصلہ ہو اسے ماننا اس کے لیے لازم ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ''احبار ۱۳ تا ۱۵ ابواب''

دوسری کھٹکنے والی چیز سوختنی قربانی ہے، توریت کی یہ عبارت پیش خدمت ہے ''سوختنی قربانی کے لیے قواعد یہ ہیں، سوختنی قربانی مذبح کے آتشدان پر ساری رات صبح ہونے تک رہے اور وہ کبھی بجھنے نہ پائے اور مذبح پر لازماً جلتی رہے..... اور مذبح پر آگ جلتی رہے اور وہ کبھی بجھنے نہ پائے، ہر صبح کاہن مذبح پر لکڑیاں رکھ کر سوختنی قربانی کو ان پر چن دے اور اس کے اوپر رفاقت کے ذبیحوں کی چربی رکھ کر جلا دیا کرے اور مذبح پر آگ ہمیشہ جلتی رہے اور کبھی بجھنے نہ پائے'' (احبار، ۶:۸-۱۳)

تحقیق کی ضرورت ہے کہ مجوس میں آتش پرستی کہیں ان ہی سوختنی قربانیوں سے تو نہیں آئی، اس لیے کہ سوختنی قربانی کے لیے نہایت شدومد کے ساتھ یہ تاکید نظر آتی ہے کہ مذبح پر آگ جلتی رہے اور کبھی بجھنے نہ پائے، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ سوختنی قربانی کا تقدس آہستہ آہستہ آگ کے تقدس میں تبدیل ہوگیا ہو، پھر اسی آگ ہی کو دیوتا کا درجہ دے دیا گیا ہو؟

بقیہ: انسان اور معرفت رب

مذکورہ بالا آیت میں ایک حقیقت اور بیان کی گئی ہے جو انسان کو صحیح رخ دیتی ہے، اور اس ایک پیدا کرنے والے کی طاقت وقدرت کی انتہا کو بیان کرتی ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿فلا تجعلوا للّٰہ انداداً وأنتم تعلمون﴾ (پس تم اللہ کا ہمسر مت ٹھراؤ جبکہ تم جانتے ہو)۔

ایک عام ذہن یہ سوچتا ہے کہ جب نظام بہت بڑا ہو تو کام کرنے والے کو مددگار کی ضرورت پڑتی ہے جو اگرچہ سب کے سب اس کے ماتحت ہوتے ہیں لیکن ان کے بغیر کام ناممکن ہوتا ہے، یہاں پر اکثر لوگ دھوکہ میں پڑتے ہیں، اللہ کے بارے میں بھی ان کا یہی ذہن کام کرتا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ بھی بہت سے شریک اور مددگار طے کر لیتے ہیں، اور یہ سوچ لیتے ہیں کہ اللہ کی حیثیت بھی ایک بادشاہ کی ہے اور اس نے بھی کاموں کا اختیار دوسروں کو دے دیا ہے اس کے نتیجہ میں غیر اللہ کی پرستش ہونے لگتی ہے پھر جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا یہ کام فلاں سے ہوگا تو وہ اس کو ماننے میں لگ جاتا ہے، لیکن وہ یہ نہیں سوچتا ہے کہ یہ ایک بڑی کمزوری کا نتیجہ بھی ہے اور اس کا پیش خیمہ بھی اور دنیا میں یہ چیز بار بار تجربہ میں آتی ہے کہ بادشاہ کے نہ جاننے ہوئے بھی بہت سے کام اس کے ماتحت وزراء اپنی مرضی سے کر جاتے ہیں، وہ اللہ جو اتنی بڑی طاقت رکھتا ہے جو انسان سوچ بھی نہیں سکتا اس کے اندر اگر اس کمزوری کا تصور کر لیا گیا تو پھر وہ خدائی کب رہ گئی، یہاں انسان اس لیے ٹھوکر کھاتا ہے کہ وہ اپنے محسوسات وتجربات پر خدا کو بھی قیاس کرنے لگتا ہے، اور یہ بھی بھول جاتا ہے کہ یہ ایک کمزوری ہے جو خدا کے شایان شان نہیں، اس لیے آیت شریف میں اس کی نفی کی گئی ہے اور صاف کہہ دیا گیا کہ کسی کو بھی اس کے برابر نہ سمجھو اور متعدد آیات میں یہ بات بتادی گئی ہے کہ اس کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔

تمام انسانوں کو خطاب کر کے اس آیت میں اس کی قدرت وحکمت پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ ایک زبردست پیدا کرنے والے کی صحیح معرفت حاصل ہو اور اس کی لافانی قدرت وطاقت کا اعتراف ہو، اسی قدرت جو بلاشرکت غیرے ہر چیز پر اقتدار وتصرف رکھتا ہے وہی اللہ ہے جو تنہا تمام نظام چلا رہا ہے، ﴿الا لہ الخلق و الأمر﴾ (یاد رکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے نظام چلانا)۔

www.abulhasanalinadwi.org

سجدہ سہو کے احکام

مفتی راشد حسین ندوی

اسلام میں نماز کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، ارکان اسلام میں کلمہ شہادت کی ادائیگی کے بعد نماز ہی کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں بھی جگہ جگہ اس کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، اس کی ادائیگی کرنے والے کے بڑے فضائل اور چھوڑنے والے کے لیے بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے والے (فلاح) یعنی دنیا وآخرت کی کامیابی سے سرفراز ہوتے ہیں، خضوع کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری ارکان، شرائط اور آداب وسنن کی رعایت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کی جائے، اور خشوع کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے مکمل استحضار ہو، نماز اس طرح پڑھ رہا ہو جیسے وہ اللہ کا دیدار کرتے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے، اس لیے کہ اگرچہ بندہ اللہ کو نہیں دیکھ پاتا ہے لیکن اللہ تعالی بندہ کی ایک ایک حرکت سے واقف ہے، اور اس کے افعال کو دیکھ رہا ہے، اگر ایک کمرہ میں ملازمین کام کررہے ہیں، افسر کو وہ نہیں دیکھ پارہے ہیں، لیکن انھیں معلوم ہے کہ کمرہ میں کیمرہ لگا ہے، اور کمرہ میں ان کی ہر نقل وحرکت آفس میں بیٹھا ہوا افسر ٹی وی پر دیکھ رہا ہے تو کیا وہ کوتاہی برت سکتے ہیں؟

بہرحال نماز میں پوری طرح خشوع اور خضوع اختیار کرنا چاہیے، تاکہ اس کی مکمل برکات نصیب ہوسکیں، اور یہ دھیان رہے کہ خشوع یا استحضار کی کیفیت اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب خضوع یعنی ظاہری ارکان اور آداب وغیرہ کا خیال رکھا جائے، پھر ان ظاہری اعمال میں سے بعض وہ ہیں جن کے فوت ہوجانے سے نماز فوت ہوجاتی ہے، بعض وہ ہیں جن کی تلافی ممکن ہے، اور بعض وہ ہیں جن سے نماز تو فوت نہیں ہوتی لیکن اس کی برکات اور فوائد فوت ہوجاتے ہیں۔

شرط یا رکن کا فوت ہوجانا: چنانچہ اگر کسی شخص سے عمداً یا سہواً نماز کی شرائط میں سے کوئی شرط چھوٹ جائے، تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، مثلاً اگر اس نے طہارت، ستر عورت، نیت، استقبال قبلہ اور تکبیر تحریمہ میں کسی چیز کو بھولے سے یا جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، سجدہ سہو وغیرہ سے بھی اس کوتاہی کی تلافی ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح اگر نماز کے ارکان یعنی فرائض میں سے کسی کو بھولے سے یا جان بوجھ کر ترک کردیا تو اگر نماز کے اندر ہی یاد آنے پر اس کی قضاء کرلے تب تو خیر سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہوجائیگی، لیکن محض سجدہ سہو کرنے سے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے، مثلاً رکوع سجود یا کسی دوسرے فرض کو چھوڑ دیا تو صرف سجدہ سہو سے نماز صحیح نہیں ہوگی، نماز تبھی صحیح ہوگی جب قاعدہ کے موافق اس کی قضاء نماز ہی میں کرے اور پھر سجدہ سہو کرے۔

سنن وآداب میں سے کسی کا فوت ہوجانا: اور اگر نماز کی سنتوں میں سے کوئی سنت یا آداب میں سے کوئی فعل چھوٹ جائے خواہ عمداً یا سہواً، تو اس سے نماز فاسد یا فوت نہیں ہوتی، لیکن نماز کی برکات اور فوائد میں کمی ہوجاتی ہے، اور استحضار قلب فوت ہوجاتا ہے، نماز پڑھنے کی لذت اور لطف جاتا رہتا ہے، مثلاً: ثناء، یا تعوذ وتسمیہ نہ پڑھے یا تکبیرات انتقال نہ کہے یا قیام کی حالت میں سجدہ گاہ پر نگاہ نہ رکھے وغیرہ وغیرہ۔

واجبات نماز میں کسی کا چھوٹ جانا: جہاں تک نماز کے واجبات کا تعلق ہے تو اگر ان کو جان بوجھ کر ترک کردیا تو سجدہ سہو سے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ نماز کو دہرانا واجب ہوگا، لیکن اگر واجب بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہوجائیگی، فتاوی ہندیہ میں ہے: ''سجدہ سہو تبھی واجب ہوتا ہے جب کوئی واجب چھوڑ دے، یا اس کو تاخیر سے ادا کرے، یا کسی رکن میں تقدیم یا تاخیر کردے، یا کسی رکن میں تکرار کردے، یا کسی واجب میں تبدیلی کردے مثلاً جہری نماز میں سراً پڑھے، یا سری نماز میں جہراً پڑھے اور درحقیقت سجدہ سہو کا وجوب صرف ایک چیز یعنی ترک واجب سے ہوتا ہے''۔

اس طرح مندرجہ ذیل صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوگا:

(۱) جب فرض کی پہلی دو رکعتوں یا سنت وتر اور نفل کی کسی بھی رکعت میں سورہ فاتحہ یا ساتھ والی سورت نہ پڑھے، جہاں تک فرض کی آخری رکعتوں کا تعلق ہے تو اس میں سورہ فاتحہ چھوڑ دینے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا، اسی طرح اگر اس کے ساتھ سورہ ملالے تب بھی سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، اسی طرح اگر فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ دوبار پڑھ لی، یا دوسری بار اکثر سورہ فاتحہ پڑھ لی، یا پہلے سورہ پڑھی بعد میں سورہ فاتحہ پڑھی تب بھی سجدہ سہو لازم ہوگا۔

(۲) اگر کسی رکعت کے دو سجدوں میں سے ایک سجدہ چھوٹ گیا، پھر نماز کے آخر میں اسے یاد آگیا تو اسے چاہیے کہ چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضاء کرے، اور سجدہ سہو کرے تلافی ہوجائیگی اس لیے کہ اس نے ایک رکن میں تقدیم وتاخیر

www.abulhasanalinadwi.org

کردی ہے، اور چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضاء کرکے اس سے پہلے پڑھی گئی نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی قرأت کرنے سے پہلے رکوع کرے پھر یاد آتے ہی قرأت کے لیے لوٹ آئے تو اس کو پھر سے رکوع کرنا ہوگا، ان دونوں کے درمیان فرق یاد رکھنا چاہیے۔

(۳) نماز کے تمام ارکان رکوع وسجود وغیرہ کو اعتدال اور اطمینان سے ادا کرنا بھی واجبات میں سے ہے، اگر ان ارکان کو صحیح ڈھنگ سے جان بوجھ کر ادا نہ کیا تو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا، بھولے سے اعتدال چھوٹ جائے تو سجدہ سہو سے تلافی ہوجائیگی۔

(۴) اگر بھولے سے فرض نماز کا قعدہ اولیٰ چھوڑ دیا اور کھڑا ہونے لگا، تو اگر وہ قعود کے قریب تھا اسی درمیان یاد آگیا تو اسے چاہیے کہ بیٹھ جائے، اور اس پر سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوگا، اور اگر وہ قیام کے قریب ہو گیا تھا تو اسے لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے، اخیر میں سجدہ سہو کرلے اسی سے تلافی ہوجائیگی، لیکن اگر وہ قعود کی طرف لوٹ آیا تب بھی صحیح قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن اسے سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔

اسی طرح نماز کے پہلے اور آخری قعدہ میں تشہد پڑھنا بھی واجب ہے، اگر دونوں میں سے کسی میں بھی بھولے سے تشہد نہیں پڑھا تو سجدہ سہو کرے۔

اور اگر پہلے یا دوسرے قعدہ میں تشہد سے پہلے سورہ فاتحہ یا کوئی سورہ پڑھ لی بعد میں تشہد پڑھا تب بھی سجدہ سہو ضروری ہوگا، اور اگر پہلے قعدہ میں دوبار تشہد پڑھ لیا، یا تشہد کے بعد "اللّٰھم صل علی محمد" تک درود شریف پڑھ لیا تب بھی سجدہ سہو لازم ہوجائے گا، اور اگر درود شریف اس سے کم پڑھا تو سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا، اسی طرح اگر قعدہ اخیرہ میں دوبار تشہد پڑھ لیا تب بھی سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) جہاں جہراً قرأت کرنے کا حکم ہے وہاں اگر امام سراً اتنی مقدار میں قرأت کردے جس سے نماز صحیح ہوجاتی ہے، (یعنی تین چھوٹی آیات کے بقدر) یا جہاں سراً قرأت کا حکم ہے وہاں اسی کے بقدر جہری قرأت کردے تو سجدہ سہو لازم ہوجائے گا، لیکن یہ حکم صرف امام کے لیے ہے۔

جہاں تک منفرد کا تعلق ہے تو جہری نماز میں اسے آہستہ قرأت کرنے کی اجازت ہے، ہاں سری نماز میں جہر کرنے سے اس پر بھی سجدہ سہو لازم ہوگا، لیکن دو تین کلمات میں آواز بلند کرلینے سے کچھ نہیں ہوگا۔

(۶) وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا اور عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کہنا بھی واجبات میں سے ہے، اگر بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو لازم ہے، لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ عیدین میں چونکہ مجمع زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا سجدہ سہو نہیں کرے گا ورنہ لوگوں کے فتنہ میں پڑجانے کا اندیشہ ہوگا۔

(۷) اگر فرض نماز کے آخری قعدہ میں بیٹھنا بھول گیا اور کھڑا ہونے لگا تو اگر قعود کے قریب ہے تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کی بھی ضرورت نہیں ہے، اور اگر قیام کے قریب ہوگیا تھا، یا سورہ وغیرہ بھی پڑھ چکا تھا تب بھی اگر اس زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو اسے فوراً لوٹ آنا چاہیے، اور سجدہ سہو کرلینا چاہیے، لیکن اگر زائد رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا تو اب فرض نماز پھر سے پڑھنی پڑے گی، اسے چاہیے کہ ایک مزید رکعت ملا کے چھ رکعت کرلے تاکہ چھ نفل کا ثواب ملے، اسے سجدہ سہو کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر اس نے ایک رکعت نہیں ملائی پانچویں رکعت پر سلام پھیر دیا، تو ایک رکعت بیکار ہوگئی صرف چار رکعت نفل کا ثواب ملے گا۔

(۸) اگر نماز میں شک ہوگیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں، یا چار رکعتیں، تو اگر اسے اس طرح کا شک بار بار نہیں ہوتا صرف کبھی کبھار اتفاقی طور پر ہوجاتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ نماز کا اعادہ کرے، اور اگر اسے بار بار نماز میں شک ہوجاتا ہے، جب تب ایسا ہوا کرتا ہے تو تحری کرے یعنی دل میں سوچ کر دیکھے کہ دل زیادہ کدھر جاتا ہے، اگر زیادہ گمان تین رکعات پڑھنے کا ہو تو ایک اور پڑھ لے اور سجدہ سہو واجب نہیں ہے، اور اگر زیادہ گمان یہی ہے کہ چاروں رکعات پڑھ لی ہیں تو اور رکعت نہ پڑھے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے۔

اور اگر سوچنے کے بعد بھی دونوں طرف برابر خیال رہے، نہ تین رکعت کی طرف زیادہ گمان جاتا ہے، اور نہ چار کی طرف تو تین ہی رکعات سمجھے اور ایک رکعت اور پڑھ لے، لیکن اس صورت میں تیسری رکعت پر بھی بیٹھ کر التحیات پڑھے، پھر کھڑے ہوکر چوتھی رکعت پڑھے اور سجدہ سہو کرلے۔

(۹) اگر سجدہ سہو واجب کرنے والی کئی چیزیں پیش آجائیں تب بھی ایک بار ہی سجدہ سہو کرنا سب کے لیے کافی ہوتا ہے۔

سجدہ سہو کا طریقہ: سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد داہنی طرف ایک سلام پھیرے، پھر سجدہ کرے اس میں سجدہ کی تسبیح پڑھے، پھر اسی طرح دوسرا سجدہ کرے، پھر بیٹھ کر دوبارہ تشہد پڑھے، پھر درود اور دعا پڑھ کے سلام پھیر دے۔

ہماری ویب سائٹ کا آغاز

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقاریر، تصنیفات، افکار، اور دیگر پہلوؤں سے متعلق معلومات۔
مرکز الامام أبی الحسن الندوی کی سرگرمیوں اور اس کی پیش رفت سے واقفیت۔
شریعت اسلامیہ سے متعلق مسائل کی جانکاری
اور دیگر بہت سی خوبیوں سے آراستہ۔

لاگ ان کریں:

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

شرک کی حقیقت

محمد حسن ندوی

عالم انسانیت پر سب سے بڑا احسان عقیدۂ توحید کا ہے کیوں کہ انسانوں کے سارے اعمال کی مقبولیت کا انحصار اسی پر ہے، اور عقیدۂ توحید پر پانی پھیر دینے والی چیز شرک کا عمل ہے؛ اس لیے کہ اس کی نحوست سے انسان کا اچھے سے اچھا عمل اللہ کی نگاہ میں مردود ہو جاتا ہے۔

شرک کے لغوی معنی شریک کرنے اور ملانے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرانے اور اس کی صفات میں کسی بھی مخلوق کو خالق کے مشابہ قرار دینے کا نام شرک ہے، یعنی ایک سے زیادہ خدا ماننا اور ان کو عبادت کا مستحق سمجھنا، اور اللہ کی حمیدہ صفات کو اللہ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کرنا، مثلاً یہ سمجھنا کہ موت وحیات کا مالک اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی ہو سکتے ہیں، پانی کوئی اور برساتا ہے، روزی کوئی دیتا ہے، حاجت روا اور مشکل کشا کوئی اور ہے۔

شرک ایسا بدترین گناہ ہے کہ اگر انسان کو توبہ کے بغیر موت آ گئی تو اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہوگا؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّـهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ﴾ (یاد رکھو جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا' اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے)، ایک دوسری جگہ اللہ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس سے کم تر گناہ کو جس سے چاہے معاف کر دے گا۔ ایک مقام پر اللہ نے انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ پاکیزہ نفوس جن کو ہم نے توحید کی دعوت کے فرض منصبی کو ادا کرنے کی وجہ سے تمام جہانوں میں فضیلت دی تھی' اگر بفرض محال وہ بھی شرک میں مبتلا ہو جاتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے اور کیا دھرا اکارت ہو جاتا؛ ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

ایسا اس وجہ سے ہے کہ شرک انسانی عقل وفطرت کے خلاف ایک گھٹیا عقیدہ ہے، اور انسانی صلاحیتوں کو مٹی میں ملا دینے والا عمل ہے، کتاب وسنت کی تعلیم کے مقابلہ میں ایک بغاوت ہے، اور عقلی اعتبار سے بھی اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کی غیرت کو جوش دلانے والی چیز ہے، اس سے انسان کی وہ حیثیت وشرافت ختم ہو جاتی ہے جو اسے خلافت ارضی کے صدقے میں ملی ہے، اس لیے کہ جب انسان اللہ کی مخلوق کو اپنا معبود اور حاجت روا بناتا ہے تو وہ اپنی عزت وشرافت کو گھٹاتا ہے؛ کیوں کہ اللہ نے سارے جہاں کی مخلوقات اور کائنات کی تمام چیزوں کو اس خلیفۃ الارض کی خدمت اور فائدہ کے لیے پیدا کیا ہے، اور یہ الٹا ان کے سامنے کاسۂ گدائی لیے کھڑا ہے!! اللہ نے شرک کی اس سطحیت کو اپنے کلام کے ان الفاظ میں یوں بیان فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ (اے لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے' غور سے سنو! جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے، مدد چاہنے والے بھی کمزور! جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور!)

حقیقت یہ ہے کہ شرک کبھی بھی انسانی عقل وذہن کو مطمئن کرنے والی چیز نہیں ہے، کوئی بھی مشرک اپنے عقیدہ کے باطل ہونے پر غور کرے تو اس کا باطل ہونا اس کے دل ودماغ پر واضح اور روشن ہو جائے گا؛ کیوں کہ شرک کا سارا معاملہ اوہام پرستی اور باپ دادا کے رسم ورواج پر چلتا ہے۔

شرک کی بدترین شکل میں اللہ کے لیے بیویوں اور بیٹا بیٹی کے عقیدے کو بھی شمار کیا گیا ہے؛ سورہ مریم کی آیات میں اللہ نے اس عقیدے کے تعلق سے اپنے سخت غصہ کا اظہار فرمایا ہے؛ آیات کا ترجمہ یہ ہے: ''وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا' سخت بے ہودہ بات ہے جو تم گڑھ لائے ہو! قریب ہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں اس بات پر کہ لوگوں نے رحمٰن کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے، رحمٰن کی یہ شان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے!''

شرک کی کم تر قسم شرک خفی یعنی پوشیدہ شرک کہی جاتی ہے، یہ ارادوں اور نیتوں کا شرک ہوتا ہے جیسا کہ ریاکاری اور شہرت وغیرہ، علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ ارادوں اور نیتوں کا شرک تو ایسا بحر زخار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، کم ہی لوگ اس سے بچ پاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کی ہر قسم کے شرک سے حفاظت فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے، آمین یارب العالمین!

www.abulhasanalinadwi.org

تاریخ کے جھروکوں سے

عمر عثمان ندوی

آج کہ اس مادہ پرستانہ دور میں جس میں دنیا کا ہر کام شکم پروری کے لیے کیا جانے لگا ہے، زندگی کی ساری دوڑ دھوپ کا مقصد صرف اور صرف خواہشات کی تکمیل رہ گیا ہے، معمولی سے معمولی آدمی بھی بڑے بڑے خواب دیکھتا ہے، اللہ کے رسول نے قیامت کی نشانیاں بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا "رعاء الشاء يتطاولون في البنيان" بکریوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریں گے، مادیت کے اس دور میں امن وامان عنقا ہو چکا ہے، انسان کی پوری زندگی ایک چکی بن کر رہ گئی ہے، اللہ نے ہمیں اس دنیا میں جس مقصد کے لیے بھیجا تھا وہ آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے، اللہ اگر کسی کو اس دنیا میں ذرا سا بھی حصہ دے دیتا ہے تو وہ اسی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور اللہ تعالی کے سارے احسانات کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ مادیت کے اس دور میں جب کہ ہر شخص کا مقصد حصول دولت و دنیا رہ گیا ہے اگر ہم امن وامان اور چین وسکون چاہتے ہیں، اور ایک کامیاب زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں جو دنیا و آخرت دونوں میں سودمند ثابت ہو، تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حکومت کی، اور علماء وصلحاء کے حالات زندگی کیا تھے، تاکہ ایک مرتبہ پھر یہ دنیا انسانیت کی کھیتی کو اسی طرح لہلہاتا دیکھ سکے جس طرح وہ پہلے سرسبز وشاداب تھی، لیجئے اسی کے چند نمونے ہم اسلامی تاریخ سے پیش کرتے جن پر روئے زمین آج تک رشک کرتی ہے، اور جس میں اس دور کے حکمرانوں کے لیے خاص سبق ہے۔

یہ ہیں سلطان نورالدین زنگی جن کے نام سے آج بھی کلیسا سہمے سہمے رہتے ہیں، جو بڑے طویل وعریض اور سرسبز وشاداب علاقے پر حکومت کرتے تھے، حرمین اور یمن تک میں ان کا نام خلیفۂ بغداد کے نام کے ساتھ خطبوں میں پڑھا جاتا تھا، اتنی بڑی حکومت کا مالک ہونے کے باوجود اپنی ملکہ کے مصارف کے لیے انہوں نے جو نظم کیا تھا مؤرخ ابن اثیر نے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے جسے آج کا بادشاہ یا وزیر تو کیا ایک عام آدمی بھی نہیں سوچ سکتا، اور اس کے لیے یہ تصور کرنا بھی محال ہے، لیکن یہ ایسے تاریخی حقائق ہیں جن کا رد ناممکن ہے، ابن اثیر کا بیان ہے: "شام کے شہر حمص میں تین دکانیں تھیں، انہی تین دکانوں کے کرائے کی آمدنی ملکہ کے لیے نورالدین نے مخصوص کر دی تھی، سالانہ بیس دینار اس ذریعہ سے ملکہ کو ملتے تھے" ابن اثیر ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب ملکہ نے تنگی کی شکایت کی اور تنخواہ میں کچھ اضافہ کروانا چاہا تو جواب میں نورالدین زنگی نے اس سے کہا: "میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے، باقی میرے قبضہ میں حکومت کی جو آمدنی ہے سو اس میں مسلمانوں کا میں صرف خزانچی ہوں، میں اس مال میں خیانت کر کے جہنم کی آگ میں نہیں گھس سکتا" اور جب اسی سلطان کی وفات ہوئی تو خود اس طبیب کا بیان ہے جو سلطان کا علاج ومعالجہ کیا کرتا تھا کہ جب میں بادشاہ کے مرض الموت میں اس کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ "بادشاہ ایک چھوٹی سی کوٹھری میں پڑا ہوا ہے، اسی کوٹھری میں سب سے الگ ہو کر بادشاہ عبادت کیا کرتا تھا" کیا آج کا کوئی معمولی سے معمولی وزیر بھی اس کا خیال کر سکتا ہے۔

اور ایک سلطان نورالدین زنگی ہی کیا اس طرح سیکڑوں مثالیں آپ کو تاریخ میں مل سکتی ہیں، انہی کے بیٹے سلطان صلاح الدین ایوبی کو دیکھیے صلیبی جنگوں کی قیادت باپ کے بعد جن کے ہاتھ آئی، ان کی مجاہدانہ زندگی سے تو دنیا واقف ہے، ان کا ذاتی حال سنیے: اتنی بڑی سلطنت کا مالک ہونے کے باوجود وفات کے بعد جب ان کے ذاتی خزانے کا جائزہ لیا گیا، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ: "انتقال کے بعد جب بادشاہ کا ذاتی خزانہ دیکھا گیا تو ایک صوری اشرفی اور چالیس ناصریہ درہم کے سوا کچھ نہ نکلا" حالانکہ بقول ابن اثیر فاطمیوں کے مصری خزانہ کا صلاح الدین تنہا وارث ہوا تھا، مگر ان ہی کی شہادت ہے، لکھتے ہیں: "سلطان نے سارے خزانے کو تقسیم کر دیا" اور خود اس بادشاہ کا حال یہ تھا کہ کبھی بھی ایسی کوئی چیز استعمال نہ کی اور نہ پہنی جو شریعت میں ناجائز ہو۔ ذرا غور تو کیجئے کہ آج ہم میں سے کتنے ہیں جو حرام وحلال کی فکر کرتے ہیں، اور بنا سوچے سمجھے جہنم کی آگ اپنے پیٹوں میں بھرتے ہیں۔

انہی سلطان صلاح الدین کے وزیر قاضی فاضل کو دیکھئے، ابن عماد نے لکھا ہے کہ وزارت عظمی کے ساتھ ساتھ وسیع پیمانے پر تجارتی کاروبار کرتے تھے اور جاگیر اتنی کہ صرف ایک ترنجہ نامی گاؤں سے بارہ ہزار دینار (سونے کے سکے) سالانہ آمدنی ہوتی تھی، مگر قاضی فاضل کا حال یہ تھا کہ دو دینار سے زیادہ کا لباس نہ ہوتا تھا۔ ایک آج ہمارا حال ہے کچھ نہ ہو تب بھی ادہار یا عاریت پر لے کر کئی کئی سو کے جوڑے صرف اس لیے پہنتے ہیں کہ لوگوں میں چرچہ ہو کہ فلاں کا لباس تو اتنا اچھا ہے، اور ہمارے زمانے کے وزراء وامراء کا تو پوچھنا ہی کیا۔ انہی قاضی فاضل کے بارے میں لکھا ہے: بڑے پاک باز، پارسا بزرگ تھے، لذتوں کا حصہ ان کی زندگی میں بہت کم تھا، نیکیوں اور بھلائیوں کی ان کے یہاں کثرت تھی، تہجد کے پابند تھے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو معمولی معمولی عہدوں کے لے پوری توانائی صرف کر دیتے ہیں تاکہ اس سے حاصل ہونے والی ناجائز آمدنی سے اپنے آپ کو گندہ کرتے رہیں، ذرا غور تو کیجئے آج کی ہماری زندگی اور ان کی زندگی میں کتنا بڑا فرق ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

عالمی ذرائع ابلاغ

پنجۂ یہود میں

محمد نفیس خاں ندوی

یہودی پروٹوکول میں لکھا ہے:

''آزادی کی مختلف تشریحات کی جاسکتی ہیں، ہم اس کی تعریف اس طرح کریں گے: آزادی ایک ایسا حق ہے جس کی تعریف قانون کے تحت کی جائے گی، یہ قانون ہم وضع کریں گے جس پر تشریحات کے غلاف چڑھادیے جائیں گے، اور پوری دنیا پر بذریعہ ذرائع ابلاغ نافذ کریں گے، انسانوں کے جذبات کا اتار چڑھاؤ ہماری گرفت میں ہوگا، جسے ہم اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کریں گے، ..... پروپیگنڈہ، خبریں، پمفلٹ اور کتابوں سمیت ہر ذریعۂ ابلاغ پر ہماری اجارہ داری ہوگی، ..... ایک بھی خبر ہماری دسترس سے نکل کر لوگوں تک نہ پہنچ پائے گی، جس کے لیے عالمی خبر رساں ادارے قائم اور استعمال کیے جائیں گے.... دنیا پر بذریعہ ذرائع ابلاغ حملے کی حکمت عملی ادوار کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ جدت اختیار کرے گی، مخالفین پر ہماری برتری قائم رہے گی یہاں تک کہ وہ اپنے ذرائع ابلاغ کا مؤثر استعمال نہ شروع کردیں، اور ہم انھیں کسی صورت اس قابل ہونے نہیں دیں گے، یہ آزادئ اظہار ایک ایسی طرز ہوگی جس کا پرچار بھی ہم کریں گے اور تنقید بھی ہماری گرفت میں ہوگی، پوری دنیا ہمارے تیار شدہ فکری سانچے سے نہیں نکل سکے گی۔''

''ہم میڈیا کو اپنے قبضے اور قابو میں رکھیں گے، ہم اپنے دشمنوں کے قبضہ میں کوئی ایسا مؤثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو مؤثر ڈھنگ سے ظاہر کرسکیں اور نہ ہم ان کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گذرے بغیر کوئی خبر سماج تک پہنچ سکے، ہم ایسے اخبارات کی سرپرستی بھی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی واخلاقی انارکی، استبدادی اور مطلق العنان حکومتوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم یہودی ایسے مدیروں اور نامہ نگاروں کی ہمت افزائی کریں گے جن کا مجرمانہ رکارڈ ہو.....''

صہیونی پروٹوکول کے ان اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد دنیا کی موجودہ صورت حال کے پس منظر کو سامنے لانا ہے، ان اقتباسات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ صہیونیت اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کو ایک مؤثر اور کارگر ہتھیار کے طور پر استعمال کررہی ہے، چنانچہ انھوں نے عالمی میڈیا پر مکمل کنٹرول حاصل کیا ہے، اور آج یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بادشاہ، کسی پوپ، کسی فاتح جنرل یا کسی اعلیٰ ترین پادری کے پاس وہ طاقت نہیں جو ان چند درجن یہودیوں کے پاس ہے جو عالمی میڈیا کو کنٹرول کرتے ہیں، اور یہ طاقت ہر گھر میں گھس کر اہل خانہ سے اپنا مقصد حاصل کرتی ہے اور لوگوں کی ذہن سازی کرتی ہے، چنانچہ آج ہمارے ذہنوں میں دنیا کی وہی تصویر ہے جو میڈیا تیار کرتا ہے اور پھر وہی یہ بھی طے کرتا ہے کہ اس تصویر کے بارے میں ہمیں کیا سوچنا ہے۔

اس وقت تقریباً دوسو افراد کا گروپ صہیونیوں کے عالمی اقتدار کے مشن کو پورا کرنے میں لگا ہوا ہے، یہ گروہ Global Dominance Group کہلاتا ہے، اس گروہ کے تحت امریکہ اور نیٹو کی فوج پوری دنیا میں استعمال ہورہی ہیں، اس گروہ کا ایک حصہ عالمی ذرائع ابلاغ پر قابض صہیونیوں کی نگرانی میں کام کرتا ہے، جن کے کنٹرول میں تقریباً 288 قومی و بین الاقوامی میڈیا کارپوریشنز (Media Corporations) ہیں، جیسے ہی صہیونی کوئی ایجنڈا صادر کرتے ہیں عالمی میڈیا اس کی نشر و شاعت اور اس کے مطابق ذہن سازی میں مصروف ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اسی پروپیگنڈہ کی بنیاد پر جنگ تک چھیڑ دی جاتی ہے، اور پھر ایک دہائی بعد پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ کے اصل محرکات کچھ بھی نہیں تھے، اس کی واضح مثال عراق کے خلاف کی گئی فوجی کارروائی ہے جس میں ''مہلک ہتھیاروں'' کے نام پر لاکھوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور بعد میں یہ واضح ہوا کہ تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی کہانی بالکل جھوٹی تھی، اس پر امریکی انتظامیہ نے "I am sorry" کہہ کر ان لاکھوں افراد کے قتل سے اپنے دامن کو جھاڑ لیا۔

رائے سازی پر میڈیا کا کنٹرول حیرت انگیز حد تک ہے، ملکی اور عالمی طور پر پہلے ایک رائے طے کی جاتی ہے اور پھر مختلف چینلز، ریڈیو اسٹیشن، اخبارات، میگزین وغیرہ کے ذریعہ اس کی تشہیر کی جاتی ہے، دنیا کی تین بڑی نیوز ایجنسیوں Ap, Afp, Reuters سمیت دیگر ذیلی ایجنسیاں خبروں کے بہاؤ پر صہیونی بند باندھ کر رکھتی ہیں، تاکہ کوئی ایسی خبر لوگوں تک نہ پہنچنے پائے جو ان کے ایجنڈے کے خلاف ہو، اور جو ذرائع ابلاغ صہیونیوں کی گرفت میں نہیں آتے ان کے راستے مسدود کرنے کے لیے ہر طرح کی حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے، CNN, Fox, MSNBC وغیرہ مسلسل چوبیسوں گھنٹے پینٹاگن سے رابطہ میں رہتے ہیں تاکہ صہیونی ایجنڈے پر بغیر کسی رکاوٹ کے پوری طرح عمل ہوتا رہے۔ اور پھر مختلف

www.abulhasanalinadwi.org

ذرائع سے عوام تک جو خبریں پہنچتی ہیں ظاہری تنوع کے باجود ان میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہوتا، اور لوگوں کی اکثریت حقیقت جاننے کے کسی دوسرے متبادل سے محروم ہوتی ہے، اس کی واضح مثال اسرائیل کی خلافِ انسانت پالیسیاں ہیں جن کے بارے میں عام طور پر دو نظریے قائم ہیں ایک یہ کہ یا تو اسرائیل کی حمایت کی جائے یا پھر غیر جانبدار رہا جائے۔

صہیونی ایجنڈے کی مکمل رعایت اور اس کے اغراض کے مطابق خبر رساں اداروں کے لیے عام طور پر یہ پانچ اصول مدنظر رکھنے پڑتے ہیں، (۱) ذرائع ابلاغ کا ذاتی ملکیت ہونا (۲) منافع خوری (۳) صہیونی ذرائع پر انحصار (۴) طاقتور کو نقصان سے بہر صورت بچانا (۵) صہیونی مالیاتی نظام کی مکمل رعایت۔ ان اصولوں کی چھلنی سے گذر کر ہی کوئی خبر عوام تک پہنچتی ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ ایسے میں خبر حقیقت سے کوسوں دور ہوگی!

الکٹرانک میڈیا کے بعد پرنٹ میڈیا سب سے زیادہ اطلاعات فراہم کرتے ہیں، ایک رپورٹ کے مطابق صرف امریکہ میں ۱۴۸۳ قسم کے اخبارات کی ۶ کروڑ کاپیاں روز بکتی ہیں، اور ان میں غیر یہودیوں کی نمائندگی بہت کم ہے، ۱۹۴۵ء تک معاملہ یہ تھا کہ ۸۰ فی صد اخبارات مقامی لوگوں کے پاس تھے جو اپنی برادری سے قریبی تعلق کے ساتھ ان کو چلاتے تھے لیکن گذشتہ ۶ دہائیوں میں اکثر اخبارات یا تو خرید لیے گئے یا مقابلہ سے باہر کر دیے گئے، اور آج زیادہ تر مقامی اخبارات چند بڑی کمپنیوں کی ملکیت ہیں، اور ۲۰ فی صد سے بھی کم اخبارات آزادانہ ملکیت رکھتے ہیں، ان میں بھی کچھ ہی اخبارات کے پاس اپنے علاقہ سے باہر کی رپورٹنگ کے لیے اسٹاف ہے، باقی سب کو ملکی و بین الاقوامی خبروں کے لیے ان ہی بڑی کمپنیوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ کے ۴۷ شہروں میں ایک سے زیادہ اخبارات ہیں اور ان میں بھی مقابلہ بس برائے نام کا ہے، کہ ان سب اخبارات کا مالک ایک ہی ہے، مثلاً مورننگ رجسٹر، پریس رجسٹر، نیویارک ٹائمنز، مورننگ پوسٹ رجسٹر، اور ہیرالڈ جرنل، یہ سب اخبارات ایڈوانس پبلیکیشنز کے نام سے ''جیوش نیوہاؤس برادرز'' (یہودی) کی ملکیت ہیں۔

نیوہاؤس دراصل یہودیوں کی اس نا بجھنے والی پیاس کو عیاں کرتی ہے جو ان کی اپنی رائے پر اثر انداز ہونے والے ہر ذریعہ کو کنٹرول کرنے کی ہے۔ نیوہاؤس کے پاس بڑے اور اہم ترین اخبار ملا کر تقریباً ۳۰ روزنامے ہیں، ۱۲ ٹی وی براڈ کاسٹنگ اسٹیشن اور ۸۷ کیبل سسٹم ہیں جن میں کچھ سب سے بڑے ہیں۔ سنڈے سپلیمنٹ جس کی ۲ ملین کاپیاں ہر ہفتہ شائع ہوتی ہیں، دو درجن بڑے میگزین جن میں نیویارک ٹائمنز، گلیمر، ویینٹی فیئر، برائڈ، سیلف، ہاؤس اینڈ گارڈن، سب نیوہاؤس کی ملکیت ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیوہاؤس اتنے سارے اخبارات پر کیسے قابض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اخبارات ان چند سکوں سے نہیں چلتے جو پڑھنے والا دیتا ہے بلکہ یہ اشتہارات سے چلتے ہیں اور انہیں سے اخبار کے دوسرے مصارف بھی پورے کیے جاتے ہیں۔ جب کسی شہر میں اشتہارات کسی ایک اخبار کو دیے جاتے ہیں تو وہ ترقی کرتا ہے اور اس کے حریف ناکام ہو جاتے ہیں۔ ادھر بیسویں صدی کے آغاز سے ہی یہودی معاشی طاقت پر غالب ہیں، اور یہی طاقت اشتہارات کے ذریعہ اخبارات کو مضبوط بناتی ہے، یہاں تک کہ جو اخبارات غیر یہودیوں کے پاس رہ بھی گئے ہیں تو اشتہارات کے لیے وہ انہی یہودیوں کے محتاج ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی خبریں اور ادارایے یہودیوں کی پسند اور ناپسند کے پابند ہوتے ہیں۔

پرنٹ میڈیا پر یہودی کنٹرول کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ کے سب سے بڑے اور بااثر اخبارات نیویارک ٹائمنز، وال اسٹریٹ جرنل اور واشنگٹن پوسٹ انہی کے ہاتھ میں ہیں، یہ اخبارات امریکہ کے معاشی اور سیاسی فکر پر غالب ہیں، یہ دوسرے اخبارات کے لیے آئیڈئل ہیں، قومی اور بین الاقوامی سطح پر کیا چیز خبر ہے اور کیا قابل توجہ ہے یہ پالیسی یہی اخبارات طے کرتے ہیں، دوسرے اخبارات انہیں کی باتیں نقل کرتے ہیں، جس میں بڑی حد تک ہمارے ملک کے اخبارات بھی شامل ہیں۔ نیویارک ٹائمنز (جس کی اشاعت ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہے) قوم کی سماجی، تفریحی اور ثقافتی زندگی کا معیار طے کرتا ہے، جبکہ ۱۸۵۱ء سے ۱۸۹۶ء تک یہ غیر یہودیوں کے پاس تھا، پھر ایک یہودی ایڈولف اوکس نے اس کو خرید لیا، اب اس کا پڑپوتا آرتھر سلزبرگر جونیئر نیویارک ٹائمنز کمپنی کا چیئرمین ہے، اور ایک ربی کا بیٹا جوزف کا اس کا ایڈیٹر ہے، نیویارک ٹائمنز سے خبریں، فیچرز، اور تصویریں دوسرے ۵۰۰ سے زائد اخباروں، خبر ایجنسیوں اور میگزین کو بھیجی جاتی ہیں۔

واشنگٹن پوسٹ بھی بڑی اہمیت کا حامل اخبار ہے، حکومتی ایجنسیوں کے اندر اپنے رابطوں کے ذریعہ یہ حکومت سے متعلق خبروں کے بارے میں شہرت رکھتا ہے، ۱۹۹۳ء تک یہ غیر یہودی کے پاس تھا، دیوالیہ ہو جانے کے بعد اسے یہودی یوجین مائر نے خرید لیا، اور اب اس کی بیٹی کیتھرین مائر اسے کنٹرول کر رہی ہے، اس کی روزانہ اشاعت ۷۶۳۰۰۰ ہے اور اتوار کو ایک ملین سے زائد۔ کئی دوسرے اخبارات اور ٹی وی اسٹیشن کے ساتھ اس کے پاس کئی اہم میگزین بھی ہیں جن میں اہم ترین میگزین ''نیوز ویک'' بھی شامل ہے۔

وال اسٹریٹ جرنل جس کی ۱۸ لاکھ کاپیاں روز بکتی ہیں سب سے بڑا روزنامہ ہے، اس کی مالک ڈوجونز اینڈ کمپنی ہے جو دو درجن دوسرے اخبارات بھی شائع کرتی ہے، اس کا سی ای او اور چیئرمین یہودی پیٹر کان ہے جو وال اسٹریٹ جرنل کا بھی چیئرمین اور پبلشر ہے دوسرے بڑے اخبارات کا بھی کم وبیش یہی حال ہے۔

اقتدار عالم کے لیے یہودیوں کی کوششیں، ان کی نظر میں غیر یہودیوں کی حیثیت اور پھر میڈیا پر ان کا ایسا مضبوط کنٹرول۔ آنے والے دنوں میں وہ دنیا کو کس رخ پر لے جانا چاہیں گے اسے ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے!!

دانش وحکمت کی راہوں کو سجاتا ھے قلم

صفحۂ کاغذ پہ جب موتی لٹاتا ہے قلم
ندرتِ افکار کے جوہر دکھاتا ہے قلم

آنکھ کی جھپکی میں ہوجا تا ہے تیغ بے پناہ
آنِ واحد میں حریفوں کو جھکاتا ہے قلم

آندھیوں کا سیل بن کر عرصۂ پیکا رمیں
زلزلوں کے روپ میں محلوں کو ڈھاتا ہے قلم

بندگانِ علم وفن کی خلوتوں کا آشنا
ان کے فکر وفہم کی باتیں سناتا ہے قلم

یادگاروں کا محافظ تذکروں کا پاسباں
گمشدہ تاریخ کے اوراق لاتا ہے قلم

شاعروں کے والہانہ زمزموں کی آبرو
دانش وحکمت کی راہوں کو سجاتا ہے قلم

اہل دل، اہل سخن ، اہل نظر ، اہل دعا
ان کے خدو خال کا نقشہ جماتا ہے قلم

ہم نے اس کی معرفت دیکھا ہے عرش وفرش کو
آسمانوں کو زمینوں سے ملاتا ہے قلم

زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں اس سے معرکے
حشر کے آثار قوموں میں اٹھا تا ہے قلم

کانپتے ہیں اس کی ہیبت سے سلاطینِ زمن
دبدبہ فرمانرواؤں پر بٹھاتا ہے قلم

کیسی کیسی منزلوں میں رہنما اس کے نقوش
کیسے کیسے معرکوں میں دندناتا ہے قلم

شاعری میں اس سے قائم ہے خمِ گیسو کی آب
نثر میں اعجاز کے تیور دکھاتا ہے قلم

قطع کرنی پڑتی ہیں فکر ونظر کی وادیاں
تب کہیں شورشؔ مرے قابو میں آتا ہے قلم

شورشؔ کاشمیری .....

www.abulhasanalinadwi.org